ماھنامہ

حکمت بالغہ

دسمبر 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

حضرت انسان کی محنت وجستجو کے میدان نہایت وسیع ہیں اور کثیر الجہت بھی۔آج کے انسان کی رسائی زمین کی گہرائیوں سے لے کر فضا کی پہنائیوں تک ہورہی ہے اور یہ بظاہر چھوٹی سی مخلوق ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہے۔لیکن اس بہت اعلیٰ خوبی کے علی الرغم آج کا انسان؛ انسان کا شکاری، ظالم، بے انصاف، حریص اور ایسا سفاک بن گیا ہے کہ نسل انسانی کا نام ونشان مٹ جائے۔آج کا انسان اپنے افکار ونظریات کی بدولت اتنا گر چکا ہے کہ شاید اس سے نیچے مزید کوئی درجہ موجود نہ ہو علامہ اقبال نے ٹھیک ہی فرمایا تھا!

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

تاریخ انسانی .....انسانوں کی فکری بے راہ روی اور نظریاتی افراط وتفریط کے دھکے کھانے کی تاریخ ہے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان جن راہوں پر نے لگام جارہا ہے ذرا ٹھہر کر سوچے اور غور کرے کہ وہ اس سفر پر کیوں رواں دواں ہے؟اس کے اس سفر کا مقصد کیا ہے؟اور وہ اس سفر سے حاصل کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیا چند سو خاندانوں کا کمال اوج تک رسائی حاصل کر لینا اور تمام انسانی وسائل رزق اور دولت پر قابض ہو کر دادِ عیش دینا ہی انسانیت کا کمال شمار ہوگا یا ساری نوع انسانی کو بلا لحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل، برادری وقبیلہ آرام وراحت کے اسباب مہیا کرنا معراج انسانیت شمار ہوگی؟۔

کاش ہم انسان ذرا غور کریں کہ ہم انسان .....کون ہیں؟ ہمیں کس نے بنا دیا ہے؟ فاطر فطرت نے ہمیں کیوں بنایا ہے؟ کیا انسان کے کاندھوں پر کوئی ذمہ داریاں ہیں یا اندر سے اٹھنے والے ہر خیال اور خواہش کو جلد از جلد پورا کر لینا ہی کامل انسان ہونا ہے؟ کیا انسان کی زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد ہے؟ کیا زندگی کسی کی امانت ہے؟ کیا مرنے کے بعد کوئی زندگی کا مرحلہ ہے؟ کیا دنیا میں اچھی زندگی یا بری زندگی کی کوئی پہچان ہے؟ کیا یہی کل زندگی ہے جو موت پر ختم ہو جاتی ہے یا موت ایک طویل زندگی کا ایک موڑ اور مرحلہ ہے جس سے گزر کر انسان ایک دوسرے مرحلہ حیات میں داخل ہو جاتا ہے؟ مرنے کے بعد اگر کچھ مراحل ہیں تو اس میں انسان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے؟

ہر ذہین، سمجھدار اور باشعور انسان یقیناً ان سوالات پر غور کرنے پر مجبور ہے مگر خارجی حالات اور ماحول کچھ ایسا بنا دیا گیا ہے کہ ان سوالوں کا جواب تلاش کرنا اتنی آسانی سے ممکن نہیں ہے اور انسان اپنے وقتی مسائل میں الجھ کر اس اصلی کام کو بھول ہی جاتا ہے۔

حکمت بالغہ کا حالیہ شمارہ ''حقیقت انسان'' کے موضوع پر بہت سا حکیمانہ لٹریچر اکٹھا کر کے اس لئے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے کہ ''انداز بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے'' کے باوجود ''شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات''.....اور اگر چند سعید روحیں بھی اس بھٹکتی دنیا میں حقیقت کو از سر نو دریافت کر لیں اور انسان کے مقام و مرتبہ کا شعور و ادراک کر کے خود اس مقام کے تحفظ کے لئے سرگرم ہو جائیں نیز دیگر افراد نوع بشر کو اس مقام بلند تک کھینچ لانے کی حامی بھر لیں اور اسی کام میں اپنی زندگیاں کھپا دینے کا فیصلہ کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خالق ارض و سماء و رب ذوالجلال اس کرۂ ارض کو امن و سکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ نہ بنا دیں۔

حکمت بالغہ کا یہ شمارہ اپنے مضامین اور مواد کے اعتبار سے تین حصوں پر محیط ہے اور وہ یہ ہیں

(1) پہلا حصہ تاریخ انسانی میں مختلف معلوم تہذیبوں اور ثقافتوں کے نظریات و افکار میں بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ جو تہذیبیں تاریخ کے مدوجزر میں غرق ہو گئیں ان میں سے اکثر و بیشتر وہ تھیں جو اپنے زمانۂ عروج میں انسان کو بس ایک حیوان اور ترقی یافتہ حیوان یا حیوان عاقل،

حیوان ناطق، تک ہی سمجھتی تھیں ایسی تہذیبوں کے آثار چاہے وہ کھنڈرات سے کھدائیوں کی شکل میں برآمد ہوئے ہوں یا وہ صفحۂ ہستی پر ایستادہ موجود ہوں خود زبان حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ ان کے بنانے والے اپنے اور کائنات کے بارے میں کیسے نظریات رکھتے تھے؟ ہمیں ان قوموں کے مذہبی افکار، رویے، عقیدے، اور پوجا پاٹ کے طریقوں سے زیادہ معروضی طور پر ان کے ذہن پر سوار وہ شوق، امنگیں، ولولے، حوصلے اور خواہشات کی تلاش ہوگی جن کا اظہار جو وہ اپنے زمانہ عروج میں اپنے طرز سیر و تفریح (TOURISM AND ENTERTAINMENT) کے لیے استعمال کرتے رہے ایسے تمام کام آج فنون لطیفہ کے نام سے موسوم ہیں یہی وہ آثار ہیں جن کی وجہ سے قومیں عذاب الٰہی کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

(2) دوسرا حصہ ان خیالات و بیانات پر مشتمل ہے جو تاریخ انسانی کے خاص افراد کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے جن کے کردار، ذاتی اخلاق، اعلیٰ اور انسان دوست رویوں کی دنیا میں معترف ہے اور کوئی سماجی اور اخلاقی برائی ان کے قریب سے بھی نہیں گزری بلکہ ان کے قریبی دوست اور رفقاء (SOMRADES) بھی اسی طرز زندگی کے نمونہ اور مثال بنے رہے۔ ہماری مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں یا ان کے پیروکار حضرات جو آسمانی وحی کی دلیل سے بات کرتے رہے ہیں جن میں آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا میں تھے اور ان کی تعلیمات سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کی تائید بھی کرتی ہیں اور ان کے آثار و تعلیمات کیا اصلاح کنندہ بھی ہیں اس لئے کہ حضرت محمد ﷺ جو آخری پیغمبر (LAST MESSANGER) تھے وہ اسی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آئے تھے جس نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا تھا۔

ان مقدس ہستیوں کی پاکیزہ تعلیمات اور ان کے مخلص پیروکاروں کی بے لوث زندگیاں.....نسل انسانی کو ایک منفرد اور ایسا اچھے فکر اور طرز زندگی دے گئیں ہیں کہ اس کی مثال مشکل ہے۔ یہ مقدس ہستیاں اپنی تعلیمات اور عمل کی بنیاد آسمانی بادشاہ خدائے واحد معبود حقیقی اللہ کو سمجھتی رہیں اور اس کی طرف سے جو رہنمائی ان تک پہنچی اس پر وہ عالی نسبت لوگ خود بھی

عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتے رہے اگر چہ ان کی تعلیمات کو عام طور پر کبھی بھی تحسین کی نگاہ سے کم ہی دیکھا گیا ہے۔

آسمانی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں جن میں قرآن مجید اللہ کا آخری پیغام اور آسمانی کتابوں میں واحد ''محفوظ'' پیغام ہے جو آج بھی اپنے اصلی متن کے ساتھ دنیا میں موجود ہے۔ قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کی تشریحات میں حقیقت انسانی کا جو بیان 'وارد' ہوا ہے وہ حکمت بالغہ کے اس کے دوسرے حصے میں شامل ہے۔

(3) اس 'حکمت بالغہ' کا تیسرا حصہ ان تفاصیل پر مشتمل ہے جو انسان پر اس کی حقیقت کے منکشف ہونے پر ذمہ داریوں اور فرائض کی شکل میں عائد ہوتی ہیں یعنی ذاتی زندگی میں بھی ان اعلیٰ اخلاق قدروں ایمانیات اور عمل صالح پر کار بند رہنا اور اجتماعی سطح پر سماجی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں بھی وحی خداوندی کے زیر سایہ زندگی گزارنے کے لئے حالات پیدا کرنا۔ ان نظریات کی تبلیغ کے لئے راستے کی ساری رکاوٹوں کو دور کرنے کا نام جہاد ہے اور یہ مسلسل کرنے کا کام ہے اور اس کی آخری ممکنہ شکل ظالمانہ نظاموں سے تصادم اور ٹکراؤ بھی ہے۔ ایک حقیقت شناس انسان اور قرآن کا مثالی انسان یا اقبال کا مرد مومن کبھی اخلاقی گراوٹ کو زندگی کا مستقل لائحہ عمل نہیں بنا سکتا اور نہ اپنی حقیقت اور اس کے تقاضوں کے خلاف ماحول کی برائی سے گٹھ جوڑ کر کے اس کے ساتھ PERMANENT CO-EXISTANCE کو گوارا کر سکتا ہے۔

حکمت بالغہ کے اس شمارے میں قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور حکیمانہ اشعار کئی جگہ الگ سے دیئے گئے ہیں جس سے حالیہ شمارے کے MESSAGE کو مئوکد کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ قارئین پر انسان کی حقیقت آشکارا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے امین اور ہم سب کو کھرا اور حقیقی انسان بنا دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ (آمین)

وماذٰلک علی اللہ بعزیزo

فرمان الٰہی

فکر انسانی کی کوتاہ بینی پر قرآن مجید کا تبصرہ

سورۃ الانفطار آیت 8-6

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ

اے انسان

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ O

تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟

الَّذِي خَلَقَكَ

(وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا

فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ O

اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور (تیری قامت کو) معتدل رکھا

فِيٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ O

اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا

خدااورانسان

کائنات خدا کا آئینہ ہے۔ یہاں خدااپنی مخلوقات کے روپ میں نمایاں ہے۔آدمی کی حساسیت اگر زندہ ہوتو اپنے گردوپیش وہ خدا کو پائے گا۔اپنے چاروں طرف وہ خدا کا مشاہدہ ہے کرے گا۔خدا کی کائنات اس کے لئے خدا کا زندہ ثبوت بن جائے گی۔

دنیا میں زندگی کی سرگرمیاں اس بات کا کھلا ہوااعلان ہیں کہ اس دنیا کا خالق ایک زندہ ہستی ہے نہ کہ کوئی ایسی ہستی جو زندگی اور حیات سے محروم ہو۔جب سورج نکلتا ہے اور چھپی ہوئی چیزیں اس کی روشنی میں دکھائی دینے لگتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خدا نے اپنی آنکھیں کھولی ہوں' جیسے خدا ایک دیکھنے والی ہستی ہو اور اپنی آنکھوں سے سارے عالم کو دیکھ رہا ہو۔دریاؤں میں جب پانی کا سیلاب رواں ہوتا ہے تو رہ پرشور اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا کا خالق ہے جو چلتا ہے اور اقدام کر کے آگے بڑھتا ہے۔جنگل کا شیر جب اپنا پنجہ نکال کر کسی جانور کو اپنی پکڑ میں پکڑ لیتا ہے تو گویا وہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والا خدا ایک ایسا خدا ہے جو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہے اور چیزوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔خلا کی بے پایاں وسعتیں اس حقیقت کا ابدی اظہار ہیں کہ اس کائنات کا خالق ایک لامحدود ہستی ہے' وہ اپنی ذات میں بھی اتھاہ ہے اور اپنی صفات میں بھی۔

خدا کا یہ کائناتی مشاہدہ ایک طرف آدمی کے اندر خدا کا یقین پیدا کرتا ہے دوسری طف اس کو بہت بڑے سوال سے دوچار کر دیتا ہے۔اس دنیا کا اگر خدا ہے تو وہ اپنی دنیا میں ظاہر کیوں نہیں ہوتا۔دنیا میں بے پناہ برائیاں ہیں۔یہاں ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم کرتا ہے۔ایک موقع پا کر دوسرے شخص کو ذبح کر دیتا ہے۔یہ سب خدا کی دنیا میں ہر روز ہو رہا ہے مگر خدا ظالموں کا ہاتھ نہیں پکڑتا' وہ مظلوموں کی جانب کھڑا نہیں ہوتا۔

اس سوال کو صرف اس وقت سمجھا جا سکتا ہے جب کہ مخلوقات کے بارہ میں خالق کی اسکیم کو سمجھ لیا جائے۔موجودہ دنیا خدا کا مستقل بندوبست نہیں ہے۔وہ صرف امتحانی بندوبست ہے۔یہ گویا ایک کھیت ہے جس میں مختلف پودوں کو اگنے کا موقع دے کر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کون اچھا درخت ہے اور کون جھاڑ جھنکاڑ۔اس

کے بعد اچھے درختوں کو ہر قسم کے بہترین مواقع دے کر تمام برے درختوں کو اکھاڑ دیا جائے گا اور پھر خدا کی دنیا خدا کے معیاری انتظام کے تحت حسن اور لذت کی ابدی بہشت بن جائے گی۔

انسان کی تلاش

انسان کے اندر ایک عجیب خصوصیت ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہے وہ ہے لامتناہی تلاش کا جذبہ۔ ہر آدمی اپنے پیدائشی جذبہ کے تحت ایک ایسی نامعلوم چیز کی تلاش میں رہتا ہے جس کو اس نے پایا نہیں۔ کوئی بھی کامیابی اس کو اس طلب کے بارے میں مطمئن نہیں کرتی، کوئی بھی ناکامی اس کے اندر اس جذبہ کو فنا نہیں کر پاتی۔ فلاسفہ اس کو آئیڈیل کی طلب کہتے ہیں۔

یہ آئیڈیل کی طلب ہی تمام انسانی سرگرمیوں کی حقیقی اور آخری قوت محرکہ ہے۔ اگر یہ طلب نہ ہو تو دنیا کی تمام سرگرمیاں اچانک ٹھپ ہو کر رہ جائیں۔ انسانی ذہن کی یہی وہ زبردست طلب ہے جس کو فرائڈ نے غلط طور پر جنسی خواہش سے تعبیر کیا۔ ایڈلر نے اس کو غلط طور پر حصول طاقت کی خواہش قرار دیا۔ میک ڈوگل نے غلط طور پر کہا کہ یہ انسان کی تمام حیوانی جبلتوں کے مخلوطہ کا ایک پراسرار نتیجہ ہے۔ مارکس نے اس کو غلط طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ انسان زندگی کی معاشی خواہش ہے اور یہی اس کی تمام سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ مگر ان توجیہات کو غلط قرار دینے کے لئے یہی واقعہ کافی ہے کہ یہ چیزیں جن لوگوں کو پوری طرح ملیں وہ بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ ان کی اندرونی ہستی بھی اسی طرح بے چین رہی جس طرح ان چیزوں سے محروم رہنے والے نظر آتے ہیں۔

انسان ہزاروں برس سے اپنے اس آئیڈیل کو دنیا کی چیزوں میں تلاش کر رہا ہے مگر کوئی بھی اس اطمینان سے دوچار نہیں ہوا کہ اس نے اپنی تلاش کا مکمل جواب پا لیا ہے۔ اس معاملہ میں بادشاہ ہو یا امیر بھی اتنا ہی غیر مطمئن رہتا ہے جتنا کوئی بے زور اور مفلس آدمی۔ یہ لمبا تجربہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ''نظر آنے والی'' دنیا میں آدمی کی تلاش کا جواب موجود نہیں۔ اس کا جواب اس ''نظر نہ آنے والی'' دنیا میں ہے جس کو آدمی محسوس تو کرتا ہے مگر دیکھ نہیں پاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ طلب خدا کی طلب ہے۔ آدمی جس کو آئیڈیل پانے کے لئے بے قرار رہتا ہے وہ خود اس خالق ہے۔ ہر آدمی جس چیز کی تلاش میں ہے وہ دراصل وہ خدا ہے جو اس کی روح میں سمایا ہوا ہے۔ ہر آدمی اپنی فطرت کے تحت مسلسل خدا کی جستجو میں رہتا ہے وہ اپنے اس اندرونی جذبہ کے تحت دنیا کی مختلف چیزوں کی طرف دوڑتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید یہ چیز اس کی تلاش کا جواب ہو۔ مگر جب وہ اس کو پالیتا ہے اور قریب سے اس کا تجزیہ کرتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز وہ نہیں جس کی تلاش میں وہ سرگرداں تھا۔

بحواله مجموعه مقالات جلد دوم مولانا وحید الدین خان

(مرسله :عبدالعزیز سلیانه ،جهنگ)

تاریخ کے آئینے میں

یہ بات شاید پوری کائنات میں اور تمام مخلوقات عالم میں منفرد ہوگی کہ انسان ایک مخلوق ہوتے ہوئے اپنے ہی بارے میں سوچ بچار کرے کہ ''میں کون ہوں''۔ یہ وصف نہ فرشتوں میں ہے نہ جنوں میں اور نہ ہی دیگر مخلوقات میں سے کسی کا ذہن اس طرف ذہن جا سکتا ہے کہ وہ سوچے کہ میں کون ہوں؟ اہل نظر جانتے ہیں کہ حیوان بس اپنی جبلتوں کے تحت کام کرتا ہے کھاتا پیتا ہے بچوں کی پیدائش اور پرورش کا وظیفہ سرانجام دیتا ہے مگر جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو اس وقت اس کو الگ سے یہ شعور نہیں ہوتا کہ بس یہ کام کر رہا ہوں۔ یہ شرف صرف حضرت انسان کو حاصل ہے اور یقیناً ایک اعزاز سے کم نہیں ہے۔

انسان کا اپنے بارے میں غور وفکر ایک امتیاز سہی مگر یہ حقیقت ہے کہ انسان نے جب اپنے بارے میں سوچا تو نامعلوم کیوں؟ _____ اکثر و بیشتر حقیقت سے دور ہی رہا۔ چنانچہ مشرق ہو یا مغرب، چین کے فلسفیانہ خیالات ہوں یا ہند کے رشیوں اور برہمنوں کے _____ ایران ہو یا یونان _____ قدیم فکر یا جدید فلسفہ _____ انسان اپنی حقیقت کی تہ تک نہ پہنچ پایا بقول اقبال

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

حکمت بالغہ کے ان مختصر صفحات میں ہم تاریخ انسانی کے افکار ونظریات کا کوئی تفصیلی یا

تنقیدی جائزہ لینے کا ارادہ نہیں رکھتے اس لئے کہ راقم اولاً اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا۔ ثانیاً تاریخ انسانی کے قابل لحاظ مفکرین وفلاسفہ کے صرف نام ہی شائع کئے جائیں تو بھی شاید ہمارا دامن ساتھ نہ دے سکے۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ فکر انسانی کے تنوع اور نہایت وسیع تناظر کے باوصف اور زبان وبیان کے اپنے اپنے انداز کے باوجود 'حقیقت' کا بیان نہایت مختصر اور دوحرفی ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ انسان کے بارے صرف گزشتہ ایک صدی کی کتابیں کنگھالیں تو ہزارہا کتابوں کے مصنفین ڈاکٹرز، پروفیسرز، ادیب، فلاسفہ اور دیگر حضرات کی سوچ کا خلاصہ یہ کہ انسان کے اندر ایک حیوان پوشیدہ ہے اور ایک عام دیہاتی آدمی سے پوچھیں تو اسے بھی یقیناً اس بات کا بخوبی ادراک اور فہم ہوگا کہ انسان ''خود'' ایک حیوان نہیں تو اس کے اندر ایک مکمل حیوان ضرور موجود ہے۔

لہٰذا ان صفحات میں ہم تاریخ انسانی کی چند مشہور تہذیبوں کا نتیجے کے اعتبار سے (RESULT ORIENTED) جائزہ لیں گے۔

دنیا میں انسان اور مذہب کی تاریخ ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے۔ سطحی انداز میں تو کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے اندر جسم کے ارتقاء کا سفر تو لاکھوں کروڑوں سال کا ہے جبکہ مذہب کی تاریخ زیادہ سے زیادہ آج سے نو یا دس ہزار سال قبل کی ہے۔ تاہم آدم (علیہ السلام) جسے مذہب میں روح اور جسد کے ساتھ انسانوں کا جدامجد مانا جاتا ہے ان کی تاریخ 10 ہزار سالوں سے زیادہ نہیں ہے۔ (ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے انسان نما مخلوق (بغیر روح ربانی) موجود ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ اعراف کی آیت 11 سکے مترشح ہوتا ہے جن میں سے ایک کو چن کر اس میں ''نفخ روح'' کر کے مقام انسانیت پر فائز کر دیا ہو۔)

ان 10 ہزار سالوں میں سینکڑوں تہذیبیں اٹھیں، پھلی پھولیں، اقتدار کے مزے لوٹے اور فنا کے گھاٹ اتر گئیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک پیغمبروں کا ایک بابرکت اور باسعادت سلسلہ جاری رہا اور انسانیت آسمانی ہدایت کے جلو میں زندگی کے سفر پر رواں دواں رہی۔

تاریخ انسانی میں یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ ''مامور من اللہ'' نبی یا رسول ہونا یا اللہ کا فرستادہ اور ایلچی ہونا خالصتاً ایک داخلی اور حقیقی معاملہ رہا ہے اور حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے اعلان سے ماقبل دنیا میں کوئی فرضی اور خود ساختہ دعویدار ایسا نہیں اٹھا جس نے نبوت کا دعویٰ از خود کر دیا ہو اور وہ کردار و اخلاق اور اپنی تعلیمات کے قدسی اور روحانی ہونے کے معیارات پورا نہ اترتا ہو یہ مرض (VIRUS) پیدا ہوا ہے تو اعلان ختم نبوت کے بعد۔

تاریخ میں لاتعداد قومیں اٹھیں عظمت و سطوت حاصل کی اپنے طور پر شادی بیاہ، کھیل کود، تجارت زراعت اور صلح و جنگ کے اصول وضع کئے، اپنے ہی مفادات کا تحفظ کیا ان قوموں میں اللہ تعالی نے پیغمبر بھیجے مگر اکثر قوموں نے انکار کیا اور اسی مسلسل انکار پر ان قوموں پر اللہ تعالی کی طرف سے عذاب آ گیا اور قومیں تباہ کر دی گئیں۔ کچھ تہذیبیں اور قومیں اٹھیں وسیع علاقوں پر راج کرتی رہیں اپنے نظریات اور اصولوں کو فروغ دیا مگر اپنے ان اصولوں کے فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تباہی کا شکار ہو گئیں۔ کچھ تہذیبیں منصۂ شہود پر نمودار ہوئیں اپنے افکار و نظریات کو فروغ دیا کھیل کود، تجارت کے اپنے انداز اپنائے اپنے خود ساختہ رسوم و رواج کو عام کیا تا آنکہ اپنے افکار کے بودے پن اور بے حیائی کے سبب اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو کر کمزور ہو گئیں۔ قریب میں کسی دوسری چڑھتی ہوئی طاقتور تہذیب نے لپک کر اسے مفتوح بنا لیا اور غلامی اور محکومی کے سوا چارہ نہ رہا۔

ان تہذیبوں کے عروج و زوال اور قوموں کی ترقی اور تنزلی کی داستانیں اللہ تعالی کے اٹل اصولوں اور بے لاگ قانون ہی تحت ہی عمل آتی رہی ہیں اور بعض قوموں پر اللہ تعالی کی طرف سے عذاب کا کوڑا برستا رہا۔ اللہ تعالی کا یہ قانون عروج و زوال یا قانون عذاب اتنا اٹل اور بے لاگ ہے کہ خود انبیاء کرام کے نام لیوا گروہ اور فرقے بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی امت بھی اپنی بے راہ روی اور دین سے دوری کی وجہ سے زوال کا شکار ہوئی اور گذشتہ اور صدیوں میں عالمی سطح پر غلامی کا دور بھی کاٹنا پڑا ہے۔

ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو ایک مزید حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جو تہذیبیں اٹھیں وہ ایک علاقائی (REGIONAL) تہذیبیں تھیں۔اس لئے کہ اول تو ذرائع آمدورفت محدود تھے اور عالمی سطح کے علمی اور فکری رابطے ممکن نہ تھے لہٰذا یہ تہذیبیں اور تمدن علاقائی سطح پر ایران، یونان، چین، ہندوستان اور یورپ میں پھیلے اور علیحدہ طور پر گمراہیوں اور آسمانی ہدایت کو ٹھکرانے کے سبب عذاب کا نوالہ بن گئے اور خیالات کی یکسانیت کے باوجود کوئی عالمی سطح کی گمراہی فروغ نہ پاسکی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی تاریخ انسانیت اور تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے آپ ابوالانبیاء ہیں اور امام الناس ہیں اور آپ کی ذات پر تاریخ کا ایک موڑ (TURNING POINT) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو متعدد امتحانوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور آپ ہر مرحلہ میں کامیاب ہی رہے اس شاندار کامیابی پر ایک انعام یہ عطا فرمایا کہ اب آئندہ نبوت ورسالت آپ علیہ السلام کی اولاد میں رہے گی گویا اولاد ابراہیم علیہ السلام بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل میں رہے گی۔اس سے بنی اسرائیل میں ایک گروہ نے جب شرارت کی راہ اپنائی اور اس میں بڑھتا چلا گیا۔اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے رسول بھیجے مگر اسی گروہ نے ماننے کی بجائے ان انبیاء کرام علیہ السلام اور راہ حق کے مبلغوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور تورات گواہ ہے کہ ایک دو نہیں سینکڑوں انبیاء کرام علیہم السلام یکے بعد دیگرے قتل کر دئے گئے۔

اس گھناؤنے جرم کے بڑے خوفناک نتائج تھے جن میں سے ایک نتیجہ آسمانی ہدایت کا ایک مصنوعی خلا پیدا ہو گیا اور انسانیت کو راہ حق بتانے والا گروہ بنی اسرائیل _____ انبیاء کرام علیہ السلام کو قتل کر کے دنیا کو گمراہی یا فتنے والا اور بے راہ روی پر قائم کرنے والا گروہ بن گیا۔

سات یا چھ صدیاں قبل مسیح علیہ السلام سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور حضرت مسیح کی آمد تک پر انہیں بھی بزعم خویش صلیب ودار کے حوالے کر دیا گیا۔اللہ نے انہیں بچالیا۔

پھر اللہ تعالے کی شان یکتائی اور اس کی مشیت متقاضی ہوئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد انزال وحی اور ارسال رسل میں چھ صدیوں کا وقفہ آ گیا تا آنکہ سید ولد آدم سید الاولین والاٰخرین حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے جو خاتم النبیین تھے اور آخری وحی اور قرآن پاک لے کر آئے بقول شاعر

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

کرہ ارضی پر یہ بارہ صدیاں یعنی 600 قبل مسیح سے 610 عیسوی تک (ولادت حضرت محمد ﷺ 57ء اور آغاز وحی 610ء) دنیا کے سخت آزمائش بن گئیں اور شیطان اور اس کی ذریت صلبی اور معنوی کو خوب کل کھلانے کا موقع مل گیا۔

ایک گمراہ اور شیطانی پر مائل گروہ پہلے ہی موجود تھا جو قتل انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے حق سے دشمنی کر رہا تھا اسے غائب کرنے کا حربہ استعمال کرتا رہتا تھا۔ شیطان نے اس گروہ کا سہارا لیا اور دنیا میں بے راہ روی اور شیطانی منصوبوں اور چالوں کا جال بچھا دیا اور اس طویل عرصے میں اسے خوب منظّم کر دیا اور انسانوں کی خلقی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اس برائی کے راستے کو ان کی آنکھوں میں مزین و مدلل کر کے پیش کر دیا۔

یہ بارہ صدیاں ہیں جن میں چہار دانگ عالم میں انسانی سوچ اور فکر کے دھارے اپنی اپنی منطق اور خود ساختہ اصولوں پر بڑھتے پھلتے پھولتے رہے اور ان کی بنیادیں پختہ ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک یونان ایران ہندوستان مشرق بعید شمالی یورپ اور چین ایسی سرگرمیوں کے گڑھ بن گئے اور فلسفیانہ نقطہ نظر کے مذاہب پیدا ہوئے جو بڑھتے بڑھتے ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط، مانی، شنکر اچاریہ، وغیرہم کے نام سے خدا بیزار اور آخرت بیزار (خدا اور آخرت کا سرے سے انکار نہیں تھا مگر اہمیت بھی نہیں تھی) سوچ پروان چڑھ گئی اور عملاً حکومتوں اور بڑی بڑی بادشاہوں کے زیر اثر وسیع علاقوں پر اپنے دوررس اثرات چھوڑ گئیں۔

انسانی سوچ اور فکر پرواں چڑھ کر جب حکومت اور ریاست میں داخل ہوتی ہے تو اس کی کوکھ سے ایک تمدن (CIVILIZATION) اور ثقافت (CULTURE) جنم لیتا ہے جس سے ان لوگوں کے ڈھکے چھپے خیالات ونظریات کا عوامی ایڈیشن سامنے آتا ہے اور عالم محسوسات میں ڈھل جاتا ہے چنانچہ اس دور حکومت اور آسودگی میں علم وفن ترقی کرتا ہے اور وہ سوچ جو پہلے نظریہ کی حد تک ہوتی تھی اب محسوسات کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

اگر سوچ مثبت اچھی انسان دوست مساوات عدل انصاف انسانی حقوق اور خدائے واحد اور آخرت کے تصورات پر مبنی ہوتی ہے تو تمدن وثقافت کا چہرہ مہرہ (SALIENT FEATURES) اور ہوتے ہیں اور اگر سوچ منفی ہو رنگ ونسل جنس کی بنیاد پر ظلم وناانصافی پر مبنی ہو یا اس کے پیچھے کسی گروہ کی خود غرضانہ مقاصد (DESIGN) کارفرما ہوں اور ہوس کی خواہشات کارفرما ہوں اور ہوس کی خواہشات ہوں تو یہ تمدن عریانی فحاشی جواء شراب رقص موسیقی مجسمہ سازی اور بے حیائی کے نشانات پر مبنی ہو جاتی ہے۔

ان بارہ صدیوں میں جو فلسفیانہ مکاتب ہائے فکر مشرق ومغرب میں پروان چڑھے ان کے نظریات اور ان کے بانیان کے فلسفہ کی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں عمومی ضرورت کے لحاظ سے ان تہذیبوں اور ثقافتوں کے علوم وفنون کا جائزہ لیتے ہیں کہ ان کے خدوخال کیا تھے؟ جس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ ان فلسفوں کے بانیوں اور اولین شارحین کی سوچ اور ان کے یہ شعور اور تحت الشعور میں ان کی کیا تفسیریں اور شرحیں پوشیدہ ہیں۔

جن تمدنوں اور تقاضوں کا ہم اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کریں گے وہ حسب ذیل ہیں

1۔ ہندوستان 2۔ یونان

3۔ شمالی یورپ

ان علاقوں میں پروان چڑھنے والے علوم فنون کے بارے میں مکمل بحث اس شمارے

کے دامن میں نہیں سما سکتی یہاں مختصراً صرف مندرجہ ذیل باتوں پر گفتگوں کریں گے

1۔ مجسمہ سازی 2۔ مذہبی عبادت گاہیں، سجاوٹ اور نقش ونگار

3۔ ظروف سازی 4۔ چوکوں اور چوراہوں پر اپنی عظمت کے یادگار نشانات

جنوبی ایشیاء ہندوستان

1۔ ہندوستان میں فلسفہ اور مذہب باہم دگر خلط ملط نظر آتے ہیں اور 600ق م سے 610ق م کے دوران یہاں ہندو مذہب اور سوچ کا عروج نظر آتا ہے تاہم اس کے زیر اثر اس سے پھوٹنے والے دیگر فلسفیانہ مکاتب فکر بھی نظر آتے ہیں جیسے جین مت اور بدھ مت وغیرہ

اسی عرصے میں آشوک چند کی ایک وسیع حکومت نظر آتی ہے جو پورے ہندوستان کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے زیر اثر بعد کی کئی صدیوں کے آثار ہیں جو ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مجسمہ سازی

جنوبی ایشیاء میں یہ فن اس حد تک پروان چڑھا کہ دیوی دیوتاؤں کے بھی مجسمے بنا دیے گئے اور اگرچہ شروع میں فن غیر منظّم اور ROUGH نظر آتا ہے اور اس میں جمالیاتی پہلو کم ہے مگر بعد کے ادوار میں نقش ونگار واضح اور حقیقی نظر آتے ہیں اس فن میں زیادہ عریانی کی مائل مجسمے ہیں جس میں دیوی دیوتاؤں کو بالکل برہنہ کر دیا گیا ہے۔ اور ہی مجسمے ان کی عبادات گاہوں میں سجا دیئے گئے تھے اور عورتیں مردان کی 'زیارت' کرتے تھے اور عبادت سمجھتے تھے۔

مشہور عبادت گاہوں اور مندروں میں عریانی سے بڑھ کر بے حیائی اور اخلاق سوزی کی آخری حدیں بھی پھلانگ دی گئیں اور قلم لکھنے سے قاصر ہے کہ وسطی ہند جنوبی ہند اور شمالی ہند کے کئی مندر مجسمہ سازی کے ساتھ بے حیائی کے بھی شاہکار ہیں اور دنیا بھر کے ٹورسٹ (TOURIST) اس کی کشش میں ہندوستان کھنچے چلے آتے ہیں۔

مذہبی یادگاریں

مجسمہ سازی کے ساتھ ساتھ عورتوں اور مردوں کے بے حیائی کے مجسموں پر مبنی اور

جسمانی ساخت کی آخری درجے تک نمائش کا ثبوت ہیں اور یہ باتیں اب کمپیوٹر سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں

عمومی یادگاروں میں ہندوستان نے زیادہ توجہ نہیں دی یا محفوظ نہیں رہ سکے۔اب یادگاری مجسموں، مذہبی عبادت گاہوں اور مذہبی یاترا کے مقامات کے بارے میں معلومات کو دیکھ کر سوچا جاسکتا ہے کہ اس تہذیب کے خدوخال کیا تھے اور مزید برآں دیوی دیوتاؤں کے لئے انسان کی قربانی اور ستی کی رسم اور ذات پات کی تمیز نے تو انسانیت کی ساری بنیادیں ہی ڈھادی تھیں۔ نتیجتاً انسان ایک ننگ دھڑنگ حیوان بن گیا تھا جو شراب خانے اور کلب کیا.....مذہبی عبادت گاہوں میں بھی بے حیائی کے مناظر کے ساتھ دل بہلاتا نظر آتا ہے۔یہ تہذیب وثقافت بذات خود چغلی کھا رہی ہے کہ یہ لوگ انسان کو ANIMAL KINGDOM کے ایک معتبر اور باشعور فرد سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔

سرزمین ہند کی محرومی کہیے کہ کہنے کو تو اسلام کی کرنیں اور نور مصطفوی ﷺ کی ضیا پاشیاں پہلی صدی ہجری میں خطہ سندھ اور وادی سندھ پر پڑنے لگی تھیں اور ساحلی علاقے بھی مسلمان تاجروں کی بدولت حقیقی انسانوں کے نورانی اثرات سے منور ہوگئے تھے مگر وسطی ہند اور شمالی ہند کا پورا علاقہ مزید چار صدیوں تک یعنی 1000ء تک اسلامی تہذیب وثقافت سے محروم ہی رہا اس لئے یونان اور شمالی یورپ وغیرہ کے مقابلے میں یہاں کا دور جہالت (DARKAGES) زیادہ طویل اور نہایت تاریک تھا۔

مشرقی وجنوبی یورپ یونان

آج سے تقریباً 2000 سال قبل سے ہی یونان علمی دنیا میں ایک مشہور نام ہے اور وہاں کے فلسفی ہیئت دان ہی نہیں حکمران بھی اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔تاریخ انسانی میں فلسفیانہ ذہن کے حامل لوگ اگرچہ ہر جگہ پائے جاتے رہے ہیں۔تاہم فلسفہ ومنطق کے عالمی مراکز ہند ایران چین اور یونان ہی رہے ہیں۔یونان اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو جو نکہ بنی اسرائیل کے خاص گروہ نے اپنی سرگرمیوں کے لیے پسند کیا تھا لہٰذا 600 ق م سے ہی یہاں

مذہب بیزار دشمن سرگرمیاں شروع ہوگئیں اور ایک خاص مقصد کے تحت ان کو خود رو انداز میں پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا اس کے تحت مختلف حکومتی انداز پنائے گئے.....فلسفے کھڑے کئے گئے.....اوران کو مدون کر کے تاریخ کا حصہ بنا دیا گیا۔ بلکہ قرین قیاس یہ ہے کہ سکندر اعظم اپنے خیالات کے تحت اور فلسفیانہ برتری کے زیر اثر ہی ساری دنیا کو اپنے زعم میں مسخر کرنے کا نکلا تھا۔

یونان کے قریب ہی قسطنطنیہ، پاپائے روم کا مرکز اور سلطنت روما کا دارالحکومت تھا 300 ق م کے مادر پدر آزاد فلسفے وفکر کو پابہ زنجیر ہونا پڑا.....تاہم جو کچھ نظریات وخیالات بن چکے تھے اوران کے پیچھے جو ذہن کارفرما تھا وہ ظاہر ہونا شروع ہو چکا تھا۔

یونانی تمدن اور ثقافت کا جائزہ لیں تو ہند کی مکمل مشابہت نظر آتی ہے اور علوم وفنون میں بے راہ روی کا ہی چلن نظر آتا ہے۔

مجسمہ سازی اور عبادت گاہیں

معاشی آسودگی ،امن اور دنیاوی برتری کے جلو میں جو فنکار سامنے آئے انہوں نے مجسمہ سازی میں کمال حاصل کیا اور دیوی دیوتاؤں GODS & DODESSES کے عریاں مجسمے بنا کر مذہبی عبادت گاہوں سجا دیئے گئے۔فن مجسمہ سازی میں عروج کے ساتھ جو نظریات اس میں پھیلائے گئے وہ اس مجسمہ سازی سے زیادہ اہم تھے۔عریاں مجسمے ،جنسی مناظر کی تصویروں اور سنگ تراشی کے شہ پاروں میں ان کی نمائش یونانی ثقافت کی پہچان بن گئی۔یہاں تک کہ ان کے مشہور مجسمہ سازوں نے اپنی عریاں مناظر کی سنگ تراشی میں ایسا نام کمایا کہ فن کے اعتبار سے یونانیوں سے آگے چلنا مشکل ہے۔عریانیت کا وہ درجہ جو سرزمین ہند کی ثقافت نے حاصل کیا وہ تو غالباً یونانی حاصل نہ کر سکے مگر بطور فن اور نفاست وہ ہندوستان کے استادان فن سے یقیناً آگے تھے۔ان کے فن کے نمونے فن تعمیرات اور ثقافت کتب اور انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔خالق کائنات نے انہیں یروشلم اور عرب کی بدولت زیادہ مہلت نہیں دی ورنہ وہ اپنے باطن کی غیر اخلاقی امنگوں اور غلیظ نظریات کی بدولت شاید ہندوستان کی غیر اخلاقی مذہبی ثقافت کو کوسوں پیچھے چھوڑ جاتے۔

یادگاریں

یونان کی تہذیب میں یہ بات طرّۂ امتیاز ہے کہ انہوں نے یادگاروں کے طور پر اور شہری آرائش کے لیے باغوں اور فواروں کے ایسے غیر اخلاقی مناظر تخلیق کئے جو عام معاشرے کے گرے ہوئے لوگ بھی سماجی میل جول SOCIAL GATHRINGS میں پسند نہیں کرتے اور ایسے ہی آرٹ کے نمونے ان کی ذاتی رہائش گاہوں اور خواب گاہوں کی زینت بنے جس سے ان کی نئی نسلوں کے معصوم ذہن ابتداء سے مسموم POISONED ہو کر اخلاقی گراوٹ کا ایسا شکار ہوئے کہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئے۔

ایک عام یونانی کا ذہن بھی یہی تھا اور ان کے حکمران بھی اسی سوچ کے مالک تھے جنہوں نے بڑے بڑے تھیٹر تعمیر کرائے اور وہاں غلاموں (محکوم و مجبور انسانوں) کو کھلے عام شیروں کے سامنے ڈال دیا جاتا جسے وہ نوچ نوچ کر کھا جاتا اور لوگ تماشا دیکھتے اور ایسے ہی کے مناظر کو حکمران شوقیہ دیکھتے اور.....نظریہ یہ رکھتے تھے کہ وہ اس طرح اپنے دیوتاؤں کو خوش کرتے ہیں کہ دنیا میں جو ظلم ہو رہا ہے وہ دیوتا بھی اسی طرح ان مناظر کو دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں یہ اسی گراوٹ کا نتیجہ تھا کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے پتھروں کی مورتیاں بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز رہتا تھا.....گراوٹ کی یہ انتہا جو ہند کے بت خانوں میں نظر آتی ہے ہو بہو یہی یونان میں بھی تھا.....صرف اسی پر موقوف نہیں دنیا میں جہاں بھی انسان نے اخلاقی گراوٹ کو اپنا مذہب بنایا۔ انسان کو پتھروں کو معبود بنانا پڑا ہے۔ یہ صنم پرستی اور صنم تراشی انسان کے ضمیر کی وہ کسک تھی کہ خدا ہر جگہ ہے۔ OMNI PRESENT اس کو بت کی شکل دے کر بت خانے میں مقید کر دو.....تا کہ باقی سب جگہوں بے راہ روی اور بے اخلاقی کے مظاہرے بلا خوف خطر اپنائے جا سکیں۔

شمالی یورپ:

شمالی یورپ اور سکنڈے نیوین ممالک میں مذہب کی گرفت زیادہ مضبوط اور موثر دکھائی نہیں دیتی البتہ وہاں کے نظریات کے اظہار کے لئے تمدن اور ثقافت کے جو نقوش میسر ہیں ان سے وہاں کے باشندگان کی ذہنی سطح، سوچ اور طرز زندگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مجسمہ سازی: مجسمہ سازی کے فن نے وہاں بھی خوب ترقی کی ہے اور انسانی جسم کی نمائش اور عریانیت کے مناظر ہی پتھر کی سلوں سے تراشے گئے ہیں تاہم عریانیت کے باوصف وہاں کے فنکار اس راستے کی ابتدائی مراحل میں ہی رہ گئے اور انسانیت سے حیوانیت کے اس روبہ زوال سفر میں ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا کچھ ہدایت یافتہ لوگوں کی تلقین سے بے حیائی اور عریانیت کے وہ آخری درجے (جس کے بعد گراوٹ کا شاید کوئی درجہ نہیں ہے وہاں) تک نہیں گر سکے اس طرح یہ علاقے ہند اور یونان کے مقابلے میں تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بہت پیچھے ہی رہ گئے۔

سرزمین عرب:

کوئی بھی خطہ زمین ہوا خلاقی گراوٹ کی ظاہری وجہ چونکہ آسمانی ہدایت اور وحی سے محرومی ہی ہے یا اس کی موجودگی میں دیدہ دانستہ چشم پوشی ہے.....لہٰذا.....سرزمین عرب بھی اس مذہبی گراوٹ سے نہ بچ سکی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ 2000 ق م کے لگ بھگ ہے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام 1900 ق م کو مکہ میں آباد کیا تھا ان کی اولاد وہاں خوب پھیلی اور عرب کے نام سے مشہور ہوئی۔

عربوں کے ہاں مکہ کی بڑی اہمیت تھی.....وہاں اللہ کا گھر تھا جو توحید کا مرکز تھا مگر 1900 ق م سے لے کر 610ء تک وہاں کوئی آسمانی ہدایت نہیں آئی (حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی نبی نہیں) حضرت محمد ﷺ (ولادت 571ء آغاز وحی 610ء) کی آمد سے وہاں نور اسلام کی کرنیں نمودار ہوئیں۔ یوں سرزمین عرب 2500 سال تک .....روحانی اعتبار سے بے آب و گیاہ صحرا ہی کا منظر پیش کرتی رہی اگرچہ خال خال باضمیر اور با اخلاق شخصیات تاریخ کے صفحات پر ابھریں اور معاشرے کے بے راہ روی سے روکنے کے لئے لگام دیتی رہیں تاہم یہ معاشرہ بھی اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو گیا یہاں تک کہ قریش نے بیت اللہ کا انتظام سنبھالنے کے منصب پر ہونے کے باوجود بت تراشی اور بت پرستی کو شیوہ بنا لیا اور پورے عرب میں اس نظام کو ایسا پھیلا دیا کہ خود کعبۃ اللہ میں 360 بت نصب کر دیئے گئے۔

ذوق حضور در جہاں رسم صنم گری نہاد　　عشق فریب می دہد جانِ امید واررا

یہ کعبۃ اللہ کا قرب تھا یا COMING EVES CAST THEIR SHADOWS BEFORE کے مصداق نبی آخری الزماں ﷺ کی عرب میں ہونے والے ظہور کی برکت .....کہ عربوں کی گراوٹ ہندو یونان کی تہذیبی و ثقافتی گراوٹ کے مقابلے بالکل ابتدائی مراحل سے آگے نہ پنپ سکی۔

اسلامی تمدن اور ثقافت

(مشرق وسطیٰ، ایران، ترکستان، ہند، شمالی افریقہ)

ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور قرآن مجید جیسا کلام ان پر اترا۔ اسی قرآن کی تبلیغ ہوئی اور اس کے احکام کے نفاذ اور اسلام کے عملی نمونے کے اظہار کے لیے ایک مملکت وجود میں آئی ایک صدی تو خلافت راشدہ کے زریں عہد اور اس کے بعد اسلام کی توسیع اور استحکام میں گزر گئی دوسری صدی کے نصف کے بعد حالات بدل گئے سرحدوں کی توسیع اور فتوحات کا سلسلہ بدل گیا جس کے نتیجے میں داخلی استحکام پر زیادہ توجہ مرکوز ہو گئی جب اس داخلی استحکام پر توجہ ہوئی تو اس سے آسودگی اور خوشحالی کا دور شروع ہوا۔ اور علوم و فنون نے خوب ترقی کی۔ اسی طرح کی ترقی کے ادوار دیگر اقوام اور مذاہب کے پیروکاروں پر بھی آئے اور جس سے علوم وفنون کی ترقی کے نتیجے میں ان کی اصولی تعلیمات کی عملی تفسیریں سامنے آ گئیں سرزمین ہند، یونان شمالی اور یورپ کے ایسے ادوار کا اجمالی خاکہ اور ان کے فنون لطیفہ کے عروج کا حال اور قارئین کے سامنے ہم گزشتہ صفحوں میں بیان کر چکے ہیں ان قوموں کے تمدن و ثقافت کی اخلاقی گراوٹ، عریانیت، بے حیائی کے مناظر کی تصویری مجسموں میں نمائش نے ان کی سوچ اور فکر سے پردے اٹھا دیئے اور کی باطنی امنگوں اور سفلی خدمات کی کہانی اقوام عالم کے سامنے کہہ ڈالی کہ لاکھ چھپاؤ اب چھپ نہیں سکتی۔

اسی معمورہ دنیا میں عروج کا ایک وقت مسلمہ پر بھی آیا تھا اور یہ زمانہ کوئی ازمنہ قدیم کی بات نہیں کہ مفروضہ ہوا اور محکم ثبوت فراہم نہ ہو سکیں یا صرف مسلمانوں کی کتابیں اس کی

وکالت کر رہی ہوں اور غیر اس کی نفی کر رہے ہوں ۔اس امر کی شہادتیں ہم سے زیادہ اغیار کے پاس محفوظ ہیں۔

مسلمانوں کی اس ثقافت اور تمدن کی داستان اتنی پاکیزہ با اخلاق حسن ظاہری اور حسن باطنی سے مزین اور انسانی ضمیر کے اتنی قریب ہے کہ جیسے ایک، باحیا مسلمان نوجوان عورت، کی زندگی جو زمانے کی گندگیوں سے مبرا اور پاک رہنے میں کامیاب رہتی ہے۔

مسلمانوں کے فنون لطیفہ اور ثقافت کا وہ ریکارڈ جو مسلمانوں کے دامن تاریخ میں ہے وہ تو ہے مخالفین بھی اس کے اعلیٰ معیار اور مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق کی عفت وعصمت کی گواہی دیں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دور عروج کے بعد سقوط بغداد (1258ء) سے زوال شروع ہوا اگر چہ 1492ء میں سقوط غرناطہ کے وقت یورپ سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا مگر سرزمین ہند فارس اور ترکستان میں سے انیسویں صدی تک مسلمانوں کا طوطی بولتا رہا۔

اس دوران مسلم تہذیب تمدن وثقافت کے جو پاکیزہ نمونے سامنے آئے وہ اولاد آدم کے باضمیر طبقے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔مسلمانوں کے صدیوں پر محیط دور عروج کے متوازی دیگر اقوام بھی ترقی کی منازل طے کر کے عروج پر پہنچیں آج اقوام یورپ کی ترقی بے مثال ہے اور دوسری اقوام کے مقابلے میں حد درجہ بلند اور وسعت میں بے پایاں اقوام یورپ نے اپنے حالیہ دور عروج میں (انیسویں صدی سے آغاز ہو کر اب تک جاری ہے) مشرق ومغرب میں تجارتی قبضے کئے اور نوآبادتی نظام رائج کر کے وہاں کے وسائل کو تاراج کرنا شروع کیا تو مسلمانوں بشمول دیگر اقوام زوال کا شکار ہو گئیں اور غلام بنالی گئیں یورپی اقوام کی اس فوجی وسیاسی فتوحات کے ساتھ ساتھ ان کی سائنسی اور مادی ترقی کے نتیجے میں بے پناہ ایجادات اور کائناتی طاقتوں کی تسخیر نے ان کے دور اقتدار کو طویل تر کر دیا اور ہر جگہ ان کی علمی برتری کے جھنڈے گاڑ دیے۔

یورپی اقوام کے اسی دور عروج کے دوران علم کی پیاس دیگر تزویراتی تقاضوں اور نہ ختم ہونے والے اقتدار کی ہوس سے تحت مفتوحہ ممالک کی تاریخ کی چھان پھٹک شروع ہوئی۔اس عمل میں گذشتہ صدیوں کی مدفون بستیوں شہروں ثقافتوں اور تہذیبوں کی جستجو نے مہمیز کا کام کیا چنانچہ ہم

دیکھتے ہیں کہ یہ اقوام 1850ء کے بعد سے پوری دنیا میں بیک وقت اس تحقیقی کام میں مشغول نظر آتی ہیں۔

اس تحقیقی کام میں سب سے زیادہ حصہ سابقہ اسلامی دور کی تہذیب وتمدن اور ثقافت کی کھود کرید میں صرف ہوا اور اس فنون لطیفہ سنگ تراشی، مصوری کے نمونوں کے حصول قبضہ اور اپنے ہاں کے عجائب گھروں کی زینت بنانے کی دھن ایک عام مشغلہ بن گیا۔ مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید کی خطاطی کے نمونے اور اس کے مکمل نسخے شاہی محلات سے نکال کر مغرب پہنچا دیئے گئے اہل مغرب اس تہذیب تمدن اور ثقافت کے ان انمول نمونوں اور شہ پاروں کی تحقیق اور ان کی فنی معیارات کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ بلکہ ان کی عفت پاکیزگی اور رفعت خیال کو اپنے ہاں کے ایسے نمونوں سے کہیں بلند پا کر ششدر رہ گئے۔

چنانچہ آج کسی علاقائی عجائب گھر میں جائیں یا برٹش میوزیم (BRITISH MUSEUM) اسلامی ثقافت کے نمونوں میں آپ کو فن تو اپنے عروج پر نظر آئے گا ہی۔ ساتھ ساتھ سوچ اور فکر کی پاکیزگی اور اخلاقی ترفع (MORALITY) بھی اپنے اعلیٰ مدارج (ZENITH) پر نظر آئے گی۔ اس کے برعکس آپ برطانوی ہند کے عجائب گھروں میں 'ہندو' سیکشن میں چلے جائیں یا 'ہند' کے 'دیر' اور 'مندر' یا میلے ٹھیلوں کی جگہیں جا کر دیکھ لیں آپ کو اخلاقی بے راہ روی، عریانیت، اخلاق سوز مناظر کے مجسماتی پیکر نظر آئیں گے ثقافت یونان کی ہو یا جنوبی امریکہ اور جاپان کی ہو اسلامی فنون اور غیر مسلم اقوام کے آرٹ اور فن اخلاق، حیا، عفت عصمت کے میدان میں واضح فرق نظر آئے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے 8 سو سال حکومت کی۔ اور حیرت ہے کہ غیر مسلم اقوام پھر بھی اکثریت (75٪) میں رہیں مساوات، اخوت، انسانی احترام کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور اصولوں کی برتری اور آزادی رائے گا اور اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہند کے مسلمان بادشاہوں میں ہماری نگاہ میں اکبر بادشاہ جو مغل اعظم کہلاتا ہے سب

سے زیادہ گمراہ شخص تھا۔

بلکہ اگر مرتد کہیں تو بے جا نہ ہوگا جب کہ ہندو کی نگاہ میں یہی بادشاہ اور معتبر آدمی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی اعتبار سے اکبر بہت کامیاب رہا اس نے ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو بے حد مراعات دیں اور ان کے مذاہب کو اسلام کے برابر کو دیا بلکہ سب مذاہب کے کچھ اصول لے کر ایک نیا دین ایجاد کر لیا۔

ایسے بادشاہ کے مقبرے کی دیواروں پر یہودی ،عیسائیوں ، ہندو، مسلم چین اور بدھ مت سب مذاہب کے نشانات موجود ہیں مگر حیرت ہوگی کہ اسلام سے اتنی گراوٹ کے باوجود کوئی بت نہیں ہے اور عریاں اور اخلاقی باختہ مناظر کی بت تراشی کا تو کیا سوال بلکہ اس کی قبر پر (60 سال کی ہندو حکومت کے باوجود) اصلی لحد پر سنگ مرمر میں قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کے مقبرے کے نقوش و نگار اور محرابیں فنون لطیفہ کی آوارگی اور بے مقصدیت سے پاک ہیں اس کے برعکس آپ ترکی کے توپ کاپی میوزیم چلے جائیں وہاں کے نوادرات نقاشی اور سنگ تراشی کے نمونے اخلاق و کردار کی اعلیٰ اقدار کے آئینہ دار ہیں فنون لطیفہ کے ان شہ پاروں میں کہیں بت عریانی، بے حیائی یا سفلی انسانی خواہشات کی تسکین کے مظاہر نہیں ملیں گے۔اسلامی تمدن اور ثقافت میں عام طور پر گھریلو اور جنگی ساز وسامان پر بھی اسلام کے بنیادی تصورات ،عقائد،سوچ کو ہی خون جگر کے ساتھ ملا کر دھانوں پتھروں ،لکڑی ار برتنوں پر نقش کر دیا گیا ہے۔اس کے برعکس دیگر مذاہب کے مذہبی نوادرات بھی عریاں اور بے لباس بتوں کی شکل میں دیوی دیوتاؤں کے پیکر نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کی عبادت گاہیں تو دنیا کے سامنے ہیں۔فن تعمیر کے نادر نمونے تو ہیں ہی مگر اس میں کہیں بت،عریانی،فحاشی کے مناظر،اخلاقی گراوٹ کے آثار نظر نہیں آئیں گے بلکہ دلکشی ،ہواداری،نفاست، کھلے پن کا احساس اور جمالیاتی حسن کا مرقع معلوم ہوتی ہیں۔اسی طرح مسلمان بادشاہوں کے محلات چاہے سپین کے ہوں یا ترکی کے عراق کے ہوں یا ہندوستان کے ان میں فنون لطیفہ تو اپنے کمال اور جوبن پر نظر آتے ہیں ساتھ ہی ساتھ نظر اور سوچ کی پاکیزگی کا مظہر بھی ہیں۔

مسلمانوں کے فنون لطیفہ، مہارت، اصول ہندسہ واقلیدس، رنگوں کا انتخاب، قوسوں کی پہچان، خوردبینی (MACRO & MICRO) تصورات اور منصوبہ بندی جیسے بنیادی معیارات پر پورا اترنے کے ساتھ ساتھ اسلامی طرز تحریر، ٹائیل سازی، محرابیں، عمارات، راستے، چھتوں کی آرائش، باغوں کی منصوبہ بندی اور فوارے دل خوش کن ہی نہیں اخلاقی بلندی کا نمونہ بھی ہیں (آج کی دنیا میں یہ ساری چیزیں انٹرنیٹ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔)

عروجِ مغرب

آج مغرب کی بالادستی کا دور ہے اور مغرب (یورپ اور امریکہ) گزشتہ کئی صدیوں کی طویل علمی، مادی اور سیاسی برتری کے نتیجے میں اب اپنی ایک منفرد تمدن و ثقافت کو جنم دے چکا ہے۔ مغربی تہذیب اور تمدن اگرچہ پہلی نگاہ میں دیکھنے والے کو بڑا خوش نما اور فطرت انسانی کی ضروریات و داعیات کی حقیقی تسکین کا باعث نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت میں

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب مغرب کی
صناعی مگر یہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اس تمدن کے نتیجے میں مغربی اقوام ایک خاص قسم کے احساس برتری اور 'بزعم خویش' 'سب کچھ ٹھیک ہے' کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اسی نشے (URGE TO DOMINATE) میں مغرب میں یہ سوچ پھیل چکی ہے کہ مغربی تہذیب اور باقی دنیا کی تہذیبوں میں بہت گہرے اختلافات کی وجہ سے CLASH OF CIVILIZATION ضروری ہے اور سوائے مغرب کی تمدن و ثقافت کے تمام تہذیبیں فرسودہ، از کار رفتہ اور غیر ضروری (MISFIT) ہیں لہٰذا یا تو ان کو کچھ ترمیم کر کے (کچھ PLUS اور MINUS کر کے) اپنے ساتھ ملا لیا جائے اور اپنے اندر جذب کر لیا جائے یا ان سے مختلف انداز کے تزویراتی طریقوں سے نمٹ کر نیست و نابود کر دیا جائے۔ یہی عمل گذشتہ نائن الیون کے خود کردہ واقعے کے بعد سے جاری ہے۔

مزید برآں ایک امریکی مصنف نے کتاب لکھ کر مغربی عوام کی یہ سوچ مبرہن کر دی ہے کہ!۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ مغربی تہذیب نہ صرف عالمی سطح پر واحد صحیح تہذیب ہے بلکہ ارتقائی عمل میں اس سے آگے جانا ممکن بھی نہیں ہے اور وہ کتاب ہے END OF HISTORY BY

-FRANCIS FUKUYAMA 1998

گویا بزبان خود یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ ان کا تہذیب وتمدن اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور اب اس سے آگے ترقی اور عروج کا کوئی زینہ ایسا نہیں ہے جو مغربی فکر کی گرفت میں آنے سے رہ گیا ہو۔

دنیاوی اعتبار سے سہولتوں اور آسائشوں کی بھرمار اور فکری اعتبار سے انسان کا حیوانی سطح پر گر کر، اخلاق و کردار (MORALITY) کے سارے اصول بالائے طاق رکھ کر زندگی گزارنے کے ساتھ یہ زعم پیدا ہو جانا کہ ہم ہی سو فیصد صحیح ہیں۔۔۔۔۔۔یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ وہ تہذیب اوج ثریا پر ہونے کے باوجود زوال کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر ہر آنے والا دن اس کی ہلاکت و بربادی کا سامان لے کر آتا ہے اگرچہ مادی برتری علمی تفوق اور سیاسی وحربی سبقت اسے یہ احساس پیدا نہیں ہونے دیتی کہ کوئی سوچے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔یہاں تک کہ وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبال نے سفر یورپ میں جو کچھ ایک صدی قبل مشاہدہ کیا تھا اس کا سبق یہی تھا

یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
شاخ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

1907ء سے 2007ء آ گیا اب ہم مغربی تنزلی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اسی برتری کے بارے میں مشہور برطانوی فلسفی اور مصنف برٹرینڈ رسل (1872-1070ء) ایک مضمون میں لکھتا ہے:

''جب میں جوان تھا مغرب کا ہر شخص یہی زعم رکھتا تھا کہ یہ (مغربی) غلبہ تاریخی تسلسل ہے اور یہ بالادستی ختم ہونے والی نہیں ہے۔''

آج کا برطانیہ زوال مغرب کا منہ بولتا ثبوت ہے اور امریکی حکومتوں کا انسانی حقوق اور اخلاقی ضابطوں کی دھجیاں بکھیرنا اس کے بھی قریب المرگ ہونے کا اشارہ (SYMPTOMS) ہے۔

یورپی اقوام یا مغرب کی یہ بالادستی اپنے جلو میں جو نظریات واعتقادات رکھتی ہے وہ

خدابیزاری اور مذہب بیزاری کے اعلانیہ دعویٰ پر مبنی ہیں مزید برآں آزاد خیالی کے جذبے سے قدیم یونان کے فلسفوں کو لے کر آگے بڑھنا اور مذہب بالخصوص آخری دین (قرآن) جو حضرت محمد ﷺ لائے کا راستہ روکنا ہے اور اس دین کی تعلیمات کی کامل نفی کرنا بھی اس تہذیب کے اہداف میں شامل ہے اور یہ عمل گذشتہ تین صدیوں میں آہستہ آہستہ منظم طریقے پر جاری رہ کر بیسویں صدی کے وسط میں اپنے کمال کو پہنچا ہے۔

مغرب کا اخلاقی زوال قدم بہ قدم

آپ دیکھیں گے کہ جدید دور کی چکا چوند اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چمک دمک کے باوجود انسان اخلاقی طور پر ہندوستان اور یونان کے دور کے ''حیوانی معاشرہ'' کی سطح پر سے بھی کہیں نیچے گر گیا ہے، سو یا پچاس سال پہلے مغرب میں جسم کے ساتھ روح کے ماننے والے یا اخلاق و کردار کے علمبردار یا آسمانی وحی کا اثبات کرنے والے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا پرچار کرنے والے آپ کو مل جائیں گے مگر اب وہاں شاذ و نادر ہی ایسا کوئی ذی روح مل سکتا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے مغرب کی یہ گراوٹ اور زوال کیسے ممکن ہوا؟ آیئے بیسویں صدی کے چند چیدہ چیدہ اہم واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں جس سے آپ پر بھی آج کے مغرب کے انسان کی 'باطنی کیفیت' روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائے گی۔

1۔ کیمرہ اور اس کی تصاویر انیسویں صدی کے وسط تک مغرب میں عام ہو چکے تھے تاہم تصاویر کو واقعات کی شکل دینا (متحرک تصاویر یا فلم) شدید انسانی خواہش تھی جس کے لئے مسلسل محنت اور تجربات کے بعد تصویروں کو حرکت دے کر تیزی سے چلانے کا تجربہ کامیاب رہا اس سے انسانی آنکھ پر حقیقی انسانی زندگی کا تصور ابھرتا تھا۔

2۔ 1892ء میں اس کی عملی شکل یہ سامنے آئی کہ سینما ایجاد ہوا سینما سکرین، فلمیں، سینما گھر، سٹوڈیوز، فلم ایکٹرز (اور ایکٹریسز) اور اس سے متعلق سارے لوازمات تیزی سے پھیلتے چلے گئے اگلے دس سالوں میں سینما امریکہ اور یورپ سے نکل کر ہندوستان تک پہنچ گیا۔

3۔ شروع میں یہ فلمیں گونگی(SILENT) ہوتی تھیں ساتھ تحریر لکھی جاتی تھی جس سے مفہوم تک رسائی ہوتی تھی۔

4۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں آواز کے ساتھ فلمیں آنا شروع ہوگئیں گویا فلمی دنیا اور سینما میں جان پیدا ہوگئی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگیا۔ اس سے گانا بجانا، فن موسیقی وغیرہ نے عروج پکڑا اور یہ ایک عالمی تہذیب وثقافت کا آغاز ہوگیا اہل فکر ونظر نے اندازہ لگایا کہ ایک صدی میں یہ لازماً اس سائنسی ترقی کے ذریعے ساری دنیا پر اپنی پسند کی ایک تہذیب وثقافت کی بالادستی قائم کی جاسکتی ہے۔

5۔ اسی دوران میں ریڈیو ایجاد ہوگیا گویا روزمرہ حالات کی خبریں مشرق ومغرب میں پھیلنا شروع ہوگئیں اور یوں زمین فاصلے کم ہوتے محسوس ہونے لگے۔

6۔ ٹیلی وژن کی ایجاد نے ایک قدم اور آگے بڑھادیا اور آواز کے ساتھ تصویر کی نمائش انسانی خواہش نے عملی جامہ پہنا اور ٹی وی نشریات کا آغاز ہوگیا۔

7۔ سفر کے میدان میں 1904ء میں پہلی کامیاب پرواز کے بعد امریکہ میں 1925-1930ء کے قریب کمرشل پروازوں کا آغاز ہوگیا جس سے زمین سکڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور عالمی تہذیب کے علمبرداروں کے مقاصد کی کامیابی نگاہوں کے سامنے آگئی۔

8۔ ایک مخصوص عالمی گروہ نے ان سب ایجادات کو کچھ خاص مقاصد کے لئے استعمال کرنے اور عام انسان کو صرف پیٹ اور جنس کی تسکین تک محدود کرنے کی تگ دو میں تیزی سے کامیابیاں حاصل کیں۔ ان ایجادات سے ملٹی نیشنلز کمپنیوں کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔

9۔ مغرب میں اخلاقی زوال کی بنیادیں تو بہت پرانی ہیں اور یونانی فلسفہ کی ترویج سے اس کے ڈانڈے ملتے ہیں یورپ یقیناً ساتویں صدی عیسوی میں ہی اس دور جاہلیت (DARK AGES) سے نکل آتا مگر قیصر روم کے 628ء میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خط کو پہچاننے کے باوجود قبول نہ کرنے کے فیصلہ نے پورے یورپ (اور امریکہ) کو اگلے ہزار سال کے لئے قعر مذلت میں دھکیل دیا تا آنکہ سقوط غرناطہ کے بعد یورپ میں علم وہنر کی روشنی مسلمانوں کے ذریعے پہنچی، اس

علمی محرومی اور اخلاقی تہی دامانی کی وجہ سے عیسائی مغرب میں اخلاق کے معیارات کا ریکارڈ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

(i) اس پر مستزاد یہ کہ انیسویں صدی میں انسان کے بارے میں ڈارون کے فلسفہ ارتقا کا نظریہ بڑی منصوبہ بندی سے عام کیا گیا کہ انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔اس فلسفہ کے ذہن میں اتر جانے سے اخلاقی زوال کے اگلے مراحل یکسر آسان ہوگئے اور حق کے مقابلہ میں باطل کی راہ دلفریب تو تھی ہی آسان بھی ہوگئی۔

(ii) بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں سگمنڈ فرائڈ کے نظریات جب سامنے آئے تو بس جیسے پٹرول کو دیا سلائی دکھائی جائے تو آن واحد میں آگ لگ جاتی ہے اسی طرح ڈارون تھیوری سے متاثر مغرب کے لئے فرائڈ کے نظریات نے دیا سلائی کا کام کیا اور امریکہ (بشمول مغرب) عملاً حیوان بن گیا۔

رہی سہی کسر منصوبہ بندی سے کام کر کے اس کو عام کرنے اور کمرشلزم (ہر کام میں انسانوں کا استحصال مالی فوائد حاصل کرنا) نے پوری کر دی۔سینما ہو یا ٹی وی ریڈیو ہو یا اخبار کتاب ہو یا رسالہ ہر چیز میں یہی نظریہ عام کرنے کی دوڑ لگ گئی اور انسان اس کا شکار ہو کر رہ گیا۔

10۔ بیسوی صدی کی چوتھی دہائی میں امریکہ میں رنگین ٹی وی آچکا تھا جس سے گھر بیٹھے حقیقی مناظر کا لطف اٹھایا جاسکتا تھا۔ایک امریکی جریدہ (LIFE) نے اسی دوران ایک اشاعت میں گھریلو زندگی کی عریاں تصاویر کو فروغ دیا اور اپنے رسالے میں مفت چھاپنے کا بندوبست کر دیا۔

11۔ مغرب کی سردی اور دھوپ کی کمی سے وہاں ایک خاص مزاج ہے کہ گرمیوں میں ساحل سمندر پر بے لباسی کی حالت میں دھوپ تاپنا ایک ضرورت تھی اس کا (TOURISM) کی شکل دے کر خوب فروغ دیا گیا۔

12۔ ساحل سمندر پر نہانے کا لباس سال کے دوران ایک مختصر مدت میں استعمال ہوتا تھا اس کو SWIMMING POOL اور LUXURY HOTELS کے ذریعے عام کر دیا گیا اور یوں بے لباسی، عریانی کو مغرب کا شعار بنا دیا گیا۔

13۔ معاشرت اور فن تعمیرات میں ملحقہ غسل خانہ (ATTACHED BATHROOM)

کے تصور اور ایئر کنڈیشنر کی ایجاد سے بے لباسی کو فروغ ملا (یاد رہے کہ امریکہ میں AC اور فریج 1920 کے لگ بھگ ترقی پذیر تھا) اس پر مغربی معاشرت کے مفکروں نے DOUBLE BED کا تصور دیا جس سے بچپن سے ہی معصوم ذہنوں میں حیوانی جذبات کے فروغ اور انگیخت کو شہ ملی اور قریبی رشتوں کے تقدس کو پامال کر دیا گیا۔

14۔ فرائڈ کے نظریات کے عام ہونے سے کمرشلزم کو ایک نیا فیلڈ مل گیا۔ 1930 کی دہائی میں امریکہ (اور غالباً یورپ میں بھی) گھر گھر سروے کرایا گیا جس سے بے حیائی اور عریانیت کو فروغ دینا تھا جس سے ہر گھر میں مردوں کے کام پر چلے جانے کے بعد خواتین سے 'بے حیائی کو فروغ دینے' کے لئے سوال پوچھے جاتے تھے اور 'راز داری' کا وعدہ کر کے غیر شعوری طور پر بے حیائی پر اکسایا جاتا تھا۔ (ایک سوال مثلاً یہ تھا کہ تم نے کبھی پڑوسی مرد سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی؟ جواب ہاں میں ہو یا ناں میں آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے ایک بے حیائی کا راستہ کھل گیا)۔ یاد رہے کہ ایک جاننے والے نے بتایا کہ اسی طرح کا سروے پاکستان کے بھی کچھ مخصوص علاقوں میں گزشتہ چند سالوں سے جاری ہے۔

15۔ عریانیت کے میدان میں تیراکی کے لباس کی مقبولیت، عریاں تصویریں، مقابلے، ماؤڈلنگ کا آغاز، نائٹ کلب اور کلر ٹی وی نے بنیادی کردار ادا کیا اگلے اقدام کے طور پر انسانی پوشیدہ اعضاء سے متعلق اعداد و شمار (STATISTICS) جمع کرنے کا آغاز ہوا جس کی پہلی رپوٹ (KINSEY REPORT) پانچویں دہائی میں عام ہوئی جس سے ضبط تولید اور اس کے متعلقہ سامان کی تیاری میں رکاوٹیں صاف ہو گئیں۔

16۔ فرائڈ کے انہی نظریات عام ہونے اور اکنامکس کے فروغ آبادی کے اصولوں کو ملا کر تجارت کے لئے BIRTH CONTROL سے متعلق سامان کی تیاری کا دروازہ کھول دیا گیا۔ چنانچہ 1950ء کے آغاز تک امریکہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے تمام طریقے عام ہو چکے تھے پاکستان میں یہ امریکی عنایات دور ایوبی میں ساٹھ کے عشرے میں وارد ہوئیں۔

17۔ فلم انڈسٹری کے فروغ کلر سینما سکوپ کلر ٹی وی میوزک پاپ کلچر، فلم انڈسٹری، تجارت میں اشتہارات کا فن اور اس میں ماڈل مردوں اور عورتوں کو استعمال کرنے کے ماہرین نے مغرب

میں بے حیائی کا طوفان برپا کر دیا۔ (جیسے آج کل ہمارے ہاں ہے) اس ساری منصوبہ بندی کا اثر یہ ہوا کہ ہر معاشرہ میں جہاں پہلے اساتذہ، پروفیسرز اور اہل علم حضرات کے ساتھ مذہبی پیشواؤں کی قدر ہوتی تھی اور ان کی تقلید کا جذبہ تھا وہ کمزور ہونا شروع ہو گیا۔ پہلے گویّوں، بینڈ باجے والوں اور آلات موسیقی بنانے والے حضرات کو عام طور پر کوئی اعلیٰ مقام نہیں ملتا تھا جبکہ مغرب میں چھوٹی سکرین اور بڑی سکرین کی بے پناہ مقبولیت کے باعث یہ لوگ اب فنکار اور معاشرے کے سب سے معزز اور VIP'S شمار ہونے لگے ان کا شمار مشہور زمانہ لوگوں میں ہونے لگا اور ان میں ایک طبقہ مالی اعتبار سے بھی بہت سے تاجروں سے اوپر چلا گیا۔ اس طرح کھیلوں کے میدان میں کھلاڑیوں کے سکرین پر ہر وقت EXPOSURE کی وجہ سے ان کی عوامی سطح پر مقبولیت کا گراف بہت اونچا چلا گیا۔ اب عوام میں فلمی ہیروز، فلم سٹارز اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کی نقل میں ان کا سا لباس، رہن سہن، انداز گفتگو اور LIFESTYLE، بالوں کا انداز، ہیر کلر، میک اپ کا سامان، ٹی شرٹ، جین وغیرہ کا استعمال سمیت ہر ادا کی نقل عام ہو گئی جس سے عوام میں مذہبی رہنماؤں اور انبیاء علیہم السلام کے نمونہ ہدایت کے ستارے ہونے کا رجحان کم ہو گیا اور اس کی جگہ FILMSTARS, TV.STARZ, اور CRICKET STARZ نے لے لی۔ چنانچہ اس طبقہ کی عمومی بے راہروی اور آزاد خیالی اور مذہب بیزاری کے ذریعے عوام میں ان نظریات کا سیلاب آ گیا ہے۔

18۔ ساٹھ کا عشرہ ختم ہونے پر مغربی منصوبہ ساز ذہن یہ باور کر چکا تھا کہ اب موقع ہے کہ مغربی معاشرہ کو ''مذہب'' اور ''خدا'' اور ''آخرت'' کے تصورات سے پاک کر دیا جائے اس کے لئے ضمیر، CONSCIENCE اور اخلاق کی کسک TO BE GUILTY CONSCIENCE رکاوٹ تھی چنانچہ تعلیمی میدان میں وہ اصلاحات ہوئی (جو آج کل ہمارے ہاں امریکی خرچ پر مفت کتابیں دے کر کی جا رہیں ہیں) جس کی رو سے نئی نسل میں اخلاق کی بنیادیں ختم کر دی جائیں اور انسان کو حیوان کامل بنا دیا جائے ہر طرح سے مذہب بیزار بنا دیا جائے چنانچہ MORALLESS اور VALUELESS سوسائٹی کے قیام کا منصوبہ بنا اور اسی کے ماتحت تعلیمی نصاب تشکیل دے کر تعلیمی اداروں میں نافذ کر دیا گیا۔ اس سے خالص

SECULAR تعلیم کا آغاز ہوا جس کا منشا یہ تھا کہ انسان کے اندر سے مذہب کی گرفت کو ختم کر یا جائے۔

19۔ ٹیپ ریکارڈر، ویڈیو ریکارڈر نے بھی مہمیز کا کام دیا ڈش اینٹینا اور چھوٹے ریڈیو نے میوزک کلچر کو گلی گلی پہنچا دیا بعد ازاں کمپیوٹر انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی کw فروغ حاصل ہوا اور سب سے آخر میں CABLE NOETWORK کے ذریعے انتہائی سستے داموں گھر گھر عریانی، فحاشی، ناچ، میوزک اور لاابالی پن کے متحرک تصویری مناظر کی نمائش جال پھیلا دیے گئے۔

آج کا مغرب ماضی کی تہذیبوں کے مقابلے میں اخلاقی اعتبار سے کہیں گراوٹ کا شکار ہے اور کتابوں میں صدی نصف پہلے جو نظریات درج ہیں ان کو نظر انداز کر کے عملاً ان کی تہذیب و ثقافت جو نقشہ پیش کر رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج مغرب کا انسان بس ایک 'حیوان' ہی ہے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بڑی عمر کے لوگ (پچاس سال کے لگ بھگ) جانتے ہیں کہ پہلے سکولوں کالجوں کی کتابوں اور کاپیوں کا انداز (GET UP) بڑا معقول، شریفانہ اور اخلاقی تعلیمات سے مزین ہوتا تھا اعلیٰ معیار کی کاپیوں (NOTE BOOKS) پر بھی عام طور پر اعلیٰ علمی مقولے (CAPTIONS) یا رباعیات (STANZAS) درج ہوتے تھے اس کے برعکس آج کی کاپیاں بالعموم اس قسم کی کسی اخلاقی تعلیمات سے تہی دامن ہیں بلکہ منفی اثرات کی حامل عبارت کی تشہیر کا ذریعہ ہیں بچوں کے عام استعمال کی چیزیں اور کھانے کی چیزوں کی پیکنگ تک میں فلمی ستاروں اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کے لچر انداز والی تصویریں اور عریانیت کی حامل عبارات درج ہوتی ہیں۔ اس سے اندازا کر لیں اگر ہمارے ہاں یہ حال ہے تو مغرب جو ہم سے بہت آگے ہے وہ کہاں کھڑا ہوگا۔

گویا آج کی مغرب تہذیب و ثقافت بھی ایک خوفناک موڑ (TURN) پر ہے جہاں سے ایک تباہی کے ایک گہرے غار یا گمنامی کے ایک BLACKHOLE کی طرف بڑھ رہی ہے جہاں سب کچھ تباہ ہو جائے گا _____ رہے نام اللہ کا

فاعتبروا يا اولى الابصار

آسودہ حال مگر بگڑے ہوئے انسانی معاشروں کے دباؤ میں

جب یہ باور کرلیا جاتا ہے کہ

انسان بس ایک حیوان ہے

تو

☆ انسان نہایت تیزی سے اخلاقی زوال کا شکار ہوجاتا ہے۔

☆ انسان میں MORALITY اور معروف ومنکر کی پہچان باقی نہیں رہتی۔

☆ انسانی لباس مختصر ہوتے ہوتے ختم ہوجاتا ہے اور عریانیت ایک 'حیوانی' پہچان بن کر ایک VALUE شمار ہوتی ہے اور عریانیت سے گریز یا MORALITY کا تذکرہ انسان کے حیوان بننے تک اس کے 'ثقافتی' ارتقائی عمل میں کسی رکاوٹ یا خرابی کی دلیل ثابت ہوتا ہے۔

☆ انسانوں کے معاشروں میں بھی حیوانوں کی طرح رشتوں کی تمیز ختم ہوجاتی ہے ماں بہن بیٹی بس ایک جنس مخالف کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔

☆ عفت وعصمت شرم وحیا کا جنازہ اٹھ جاتا ہے

☆ انسانی معاشروں میں بھی 'جنگل کا قانون' رائج ہوجاتا ہے۔ جہاں اعلیٰ اخلاق، عدل، انصاف، انسانی شرف اور احترام جان ومال قصۂ ماضی بن جاتے ہیں۔

کیا آپ حیوان بن کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں یا انسان بن کر

معلوم نہیں آپ کا رجحان کس طرف ہے؟

انسان نے کیا سوچا؟

غلام احمد پرویز

نفس انسانی:۔

ایک چیز قابل غور ہے آپ اپنے بچپن کی عمر سے اس وقت تک کی زندگی پر غور کیجئے۔ علم الابدان کے ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ انسانی جسم میں ہر آن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ سات سال کے بعد انسان کے پرانے جسم میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی رفتہ رفتہ بتدریج غیر محسوس طور پر سابقہ جسم کی جگہ ایک نیا جسم لے لیتا ہے۔ بعض اوقات یہ تبدیلی ایسی نمایاں ہوتی ہے کہ (مثلاً) آپ نے کسی بچہ کو بیس برس کے بعد دیکھا تو آپ بمشکل پہچان سکیں گے کہ یہ وہی بچہ ہے۔

بدلے کچھ ایسے طور سے بے طور ہو گئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

محض شاعری نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچپن کے بہت انداز ہیں جو شباب باقی رہتے ہیں شباب کے بعد جب بڑھاپا آتا ہے تو جوانی ایک خواب سے زیادہ دکھائی نہیں دیتی۔ بچپن سے بڑھاپے تک انسان کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ کسی ساٹھ برس کے بوڑھے کے سامنے اس کی چار برس کی عمر کی تصویر لائیے وہ پہچان نہ سکے گا تصویر کس کی ہے؟ آپ کو بتانا پڑے گا کہ یہ جناب ہی تشریف فرما ہیں لیکن ان تمام تبدیلیوں کے باوجود ایک چیز ایسی بھی ہے جو غیر مبتدل رہتی ہے اور یہ چیز وہ ہے جسے آپ ''میں'' کہتے ہیں۔ آپ ساٹھ برس کی عمر میں بھی جب اس زمانہ کی باتیں

کریں گے جب آپ دس برس کے بچے تھے (اور جس زمانہ کی اپنی تصویر بھی آپ نہیں پہچان سکے تھے) تو آپ یہی کہیں گے کہ میں فلاں مدرسے میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے یہ کیا۔ ایک دن وہ کیا۔ میری فلاں سے لڑائی ہوگئی میں فلاں کا دوست تھا۔ غور کیجئے کہ یہ ''میں'' کیا ہے جس کا تذکرہ اپ کر رہے ہیں اور اس کا تذکرہ آپ کر ہی نہیں رہے بلکہ جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس کی عمر میں سانپ مارا تھا تو اس بہادری کا اثر آپ اپنے اندر آج بھی محسوس کرتے ہیں جو کام آپ کے ''میں'' نے دس برس کی عمر میں کیا تھا، آپ کا ساٹھ برس والا ''میں'' اپنے آپ کو اس کام کے ''(CREDIT) کا جائز حق دار سمجھتا ہے اور حقدار سمجھنے کی بات بھی ہے۔ یہ ''میں'' ابھی تک وہ کیفیت محسوس کرتا ہوں جو پچاس برس ادھر پیدا ہوئی تھی۔ یہ جو

اکثر شب تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند کے
گذری ہوئی دلچسپیاں بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمع زندگی اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دل غمناک پر

تو ان گذری ہوئی دلچسپیوں اور بیتے ہوئے عیش کے دنوں کسی ''غیر'' کی داستان نہیں ہوتی بلکہ آپ کی اپنی داستان ہوتی ہے۔ حالانکہ آج جب یہ داستان ایک رنگین فل کی طرح آپ کی آنکھوں کے سامنے سے گذر رہی ہے' آپ کے اس جسم کا کوئی ذرہ بھی باقی نہیں رہا۔ جس جسم کے ساتھ یہ دلچسپیاں گذر رہی تھیں اور جس نے عیش کے وہ دن دیکھے تھے لیکن اس کے باوجود اسے آپ اپنی ہی داستان سمجھتے ہیں اور اس بدلے ہوئے جسم کے علی الرغم آپ کے اندر کچھ ہے جو ان کی یاد سے آج بھی اسی طرح کیف اندوز ہو رہا ہے۔ جیسے اس گذرے ہوئے زمانے میں لذت یاب ہوتا تھا۔ یہ ''ہیں'' آپ کے ''اندر'' بدستور رہتا ہے خواہ وہ پہلا جسم رہے یا نہ رہے۔

مغربی مفکرین کے نتائج فکر اور وہاں کے مادئین کے طبیعی انکشافات پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد علامہ اقبال اپنے خطبات میں لکھتے ہیں کہ

شعور انسانی' زندگی کے ایک خالص (ا) روحانی اصول کی ایک قسم ہے جو جوہر نہیں بلکہ

ایک اصول نظام ہے۔ایک خاص فطرت جو مشین کی فطرت سے یکسر مختلف ہے جسے خارجی قوتیں متحرک رکھتی ہیں لیکن چونکہ محسوسات کا خوگر انسان) خالص روحانی توانائی کا تصور نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم اس کے ساتھ ان محسوس عناصر کو ملا نہ لیں جن کے ذریعے وہ اپنے آپ کو منکشف کرتی ہے، ہم اس عناصری امتزاج ہی کو روحانی توانائی کی اساس قرار دے لیتے ہیں۔(خطبات ص39)

انسان صرف حیوان نہیں

ایک بالکل الگ مخلوق ہے چنانچہ اس باب میں SIMPSON لکھتا ہے

''یہ ٹھیک ہے کہ انسان بھی ایک حیوان ہے۔لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ انسان صرف حیوان ہے.....اگر یہ کہا جائے کہ انسان صرف حیوان ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان تمام خصائص کے وجود کا انکار کرتے ہیں جو صرف انسان کے اندر ہیں اور باقی حیوانات میں سے کسی میں موجود نہیں ہیں.....اس حقیقت کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے کہ انسان ایک حیوان تو ہے لیکن اس کی ہستی کی انفرادیت کی بنیاد وہ خصوصیات ہیں جن میں کوئی اور حیوان اسکا شریک نہیں۔فطرت میں انسان کا مقام اور اس مقام کی بلند ترین اہمیت، انسان کی حیوانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت کی وجہ سے ہے.....انسان ایک بالکل نئی قسم کا حیوان ہے۔ایک ایسا حیوان جس میں اگرچہ طبیعی ارتقاء کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن اس میں ایک بالکل نئی قسم کا ارتقاء بھی نمودار ہو رہا ہے۔(ص139-137)

فرمانِ الٰہی

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ

پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا

پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ

پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

انسان کی عارضی اور دائمی زندگی کے پانچ مراحل

انور قریشی

اسلام نے زندگی کی حقیقت واضح کی ہے جو پانچ مراحل پر مشتمل ہے۔

1۔عالم ارواح میں جسد روحی　　2۔عالم فانی میں جسد بشری

3۔عالم برزخ یعنی قبر　　4۔روز محشر یعنی زمانہ قیامت　　5۔ابدی جنت

1۔عالم ارواح: یہ زندگی کا پہلا مرحلہ (PHASE) ہے۔آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی تمام انسان عالم ارواح میں وجود میں آئے تو اللہ تعالی نے عالم ارواح کے اجتماع میں الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) فرما کر قالو بلیٰ (انہوں نے کہا کہ ہاں!) اسے اقرار حاصل کرلیا جس کو میثاق کہا جاتا ہے۔لاکھوں سال انسان عالم ارواح میں بغیر جسم کے آسمانوں پر رہتا ہے۔انسان کا اصل وطن آسمان ہے۔زندگی کا یہ پہلا مرتبہ بہت لمبا ہے اور اس کی مدت نامعلوم ہے۔جونہی خاوند اور بیوی کے تعلق سے عورت کے رحم میں بچے کا وجود بنتا ہے تو اس میں روح داخل ہوجاتی ہے اور تقریباً 9 ماہ کے بعد وہ دنیوی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ماں کا پیٹ روح کی قبر ہے۔بچہ دنیا میں روتا ہوا آتا ہے کیونکہ وہ اعلی ماحول سے ادنیٰ ماحول میں داخل ہوتا ہے۔

2۔دنیوی زندگی: یہ زندگی کا دوسرا مرحلہ (PHASE) ہے۔انسان کی دنیوی زندگی میں روح اور جسم اکٹھے رہتے ہیں۔دنیوی زندگی بالکل عارضی ہے اور یہ چند لمحوں سے لے کر چند سالوں تک محدود ہے۔موت یقینی ہے۔اور اس سے زیادہ کوئی چیز یقینی نہیں ہے۔جو اس دنیا میں آیا ہے اسے اس دنیا سے جانا ہے۔موت کے ساتھ جسم بھی قبر میں مٹی ہوجاتا ہے۔اور روح کو فرشتے آسمانوں پر اصل وطن میں لے جاتے ہیں۔مومن اس دنیا سے مسکراتا ہوا جاتا ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے ماحول سے بہتر ماحول میں جارہا ہے۔اور وہ اپنے بزرگوں، آباؤاجداد اور دوستوں سے جاکر

ملتا ہے۔کافر اس دنیا کو انسان کی تمام زندگی سمجھتا ہے۔مگر مسلمان کے لئے اس کی حیثیت ایک سفت سے زیادہ نہ ہے کیونکہ یہ پوری زندگی کے سفر کا ایک پڑاؤ (STOP) ہے۔دنیا کا سب کچھ وقتی اور عارضی ہے۔انسان کا بچپن عارضی، جوانی و بڑھاپا عارضی، بیماری اور صحت عارضی ہے۔غربت وثروت عارضی، عزت ودولت عارضی، مصیبت و آفت عارضی، خوشحالی و بدحالی عارضی، حکومت عارضی وزارت وصدارت عارضی، کوئی ہمیشہ ایک ہی حالت میں نہیں رہتا ہے یعنی سبھی کچھ وقتی اور عارضی ہے جو موت کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے حق بات تو یہ ہے کہ یہاں زندگی بھی عارضی اور موت بھی عارضی ہے۔آخرت بدرجہا بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: 17)

اگرچہ دنیوی زندگی عارضی ہے مگر مومن اللہ تعالی اور رسول معظم ﷺ کے ساتھ روحانی تعلق قائم رہتا ہے۔عبادات ذکر اذکار اور نیکیاں دائمی ہی یہ نہ دنیا میں ختم ہوتی ہیں نہ موت کے ساتھ اور نہ حشر کے روز ختم ہوں گی۔صدقہ جاریہ اور صالح اعمال تو قیامت تک بڑھتے رہتے ہیں۔۔۔دنیوی زندگی تو میدان عمل اور آزمائش ہے تاکہ نیک اور بد کا فرق ظاہر ہوجائے۔ارشاد رب العزت ہے:

اللہ جس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو تاکہ آزمائے کہ کون تم سے بہتر عمل کرتا ہے۔ (الملک:2)

3۔عالم برزخ: زندگی کا تیسرا مرحلہ عالم برزخ ہے یعنی قبر کی زندگی جو لاکھوں سال لمبی ہے اور قیامت تک رہے گی۔اس میں جسم کا وجود نہیں ہوگا جسم فانی ہے اور روح غیر فانی ہے۔انسان کو اللہ تعالی کے انعامات یا عذاب کا پورا احساس ہوگا۔اتنے لمبے عرصے کی جزا وسزا کو ہم دائمی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ دنیا تو چند لمحے، پچاس سال یا سو سال کا قلیل عرصہ ہوتی ہے۔قبر میں سوال وجواب ہوگا، رسول معظم ﷺ کی زیارت ہوگی۔پھر مومن جنت کے نظاروں سے مسرور ہوتا رہے گا۔خوشبو دار ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں گی۔اس کو اپنے آباؤ اجداد اور دوستوں کی صحبت حاصل ہوگی۔اگر انسان کافر، منافق، فاسق ہوگا تو اس کو گناہوں کی شدت کے مطابق مختلف عذاب دیئے جائیں گے۔ان دردناک عذابوں کے تصور سے ہی انسان کا دم گھٹ جاتا ہے۔

4۔عالم حشر: یہ زندگی کا چوتھا مرحلہ (PHASE) ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ قیامت 50

ہزار سال کی ہوگی اور قیامت کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔یعنی قیامت کروڑ ہا سال پر محیط ہوگی۔انسان دوبارہ زندہ ہوکر اس کے جسم اور روح اکٹھے ہو جائیں گے۔

5۔ جنت ودوزخ کا پانچواں مرحلہ اور آخری مرحلہ (PHASE) جنت ودوزخ ہے جو کہ دائمی ہے۔موت کو ذبح کر دیا جائے گا جو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔جنت میں جنتی جو خواہش کرے گا وہ پوری کی جائے گی۔اور جنت کے انعامات انسان کے تصور سے باہر ہیں۔جو انسان دنیوی زندگی میں بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گیا وہ ذلیل ہو گیا۔کبھی ہم نے غور کیا کہ انسان تو موم بتی کا شعلہ بھی برداشت نہیں کرسکتا وہ دوزخ کے عذاب کو جو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ دردناک ہوگا کیسے برداشت کرے گا؟ انسان ک کا بدن جل جائے گا اور پھر اصل وجود میں آجائے گا۔اس طرح عذاب دائمی (NON STOP) ہوگا۔اللہ تعالی ہمیں محفوظ فرمائے۔۔۔۔امین!(بشکریہ نوائے وقت 26 اکتوبر 07ء)

حقیقت انسان

ڈاکٹر اسرار احمد

منصور کا یہ کہنا کہ: ''میں خدا ہوں!'' ایک انتہا پر _____ اور ڈارون کا یہ ''بولنا'' کہ ''میں بوزنا ہوں'' دوسری انتہا پر _____ لیکن کیا یہ معاملہ ایسا ہی غیر اہم ہے کہ کوئی ''دوست'' اسے ہنستے ہوئے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ: _____ ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست'' (1)

سوال یہ ہے کہ حقیقت یہ ہے یا وہ؟ _____ اور اگر ان دونوں کے مابین واقع ہوئی ہے تو کہاں؟ _____ اور اگر یہ دونوں ہی باتیں درست ہیں تو کیسے؟

اس میں ہرگز کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ آج کا انسان اپنے آپ کو محض ایک حیوان تصور کرتا ہے۔ انسانوں کی عظیم اکثریت تو اپنی عظمت سے بالکلیہ بے خبر اور اپنی حقیقت سے قطعی طور پر لاعلم، محض اپنی مادی ضرورتوں اور حیوانی تقاضوں کی تسکین وتکمیل کے لئے دوڑ دھوپ میں مصروف ومشغول ہے ہی _____ اصحاب دانش وبینش کی واضح اکثریت بھی کائنات کی اصل مادی مان کر _____ مادہ کو حقیقی قرار دے کر 'واقعیت پسندی' (REALISM) کی جانب رخ کیے ہوئے ہے _____ حتیٰ کہ جنہیں اس سطح سے ذرا بلند ہونے کی توفیق ملی ہے وہ بھی ذہن (MIND) اور روح (SOUL) کی ''عینیت'' یا ''ثنویت'' کی بحث میں الجھ کر رہ گئے ہیں!

اور آج کا انسان جس ذہنی وفکری ژولیدگی اور اخلاقی وعملی پستی کا شکار ہو چکا ہے اس سے نجات کی واحد راہ اپنی عظمت کی 'بازیافت' اور اپنے مقام ومرتبہ سے دوبارہ کما حقہٗ آگاہی کے سوا کچھ نہیں! _____ گویا ع ''علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی!''

یعنی بقول اقبالؔ ع ''اپنی خودی پہچان او غافل انسان!

''یا بقول بیدل ع ''اے بہار نیستی از خود ہشیار باش!''

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے _____ بقول سعدیؒ:

ے ''آدمی زادہ طرفہ معجون است   ازفرشتہ سرشتہ وزحیواں!''

اس کا ایک جزو''احسن تقویم''کا مظہراتم ہے تو دوسرا''اسفل سافلین''کا مصداق کامل!(2) ایک کا تعلق 'عالم امر' سے ہے تو دوسرے کا 'عالم خالق' سے!(3) ایک خاکی ہے تو دوسرا انوری(4)

ایک ____________ 'دنی الطبع' ہے اور ہمہ تن اور ہمہ وقت پستی کی جانب مائل تو دوسرا''قُدسی الاصل''اور ہمیشہ''رفعت پہ نظر رکھنے والا!(5)

ایک حیوانات کی صف میں ہے __________ اور ان میں سے بھی بہت سوں کے مقابلے میں مختلف اعتبارات سے ہیچ و کمتر اور ضعیف و ناتواں تو دوسرا ملائکہ کا ہم پلہ ہے بلکہ مقام اور مرتبہ میں ان سے بھی کہیں اعلیٰ و افضل _________ حتیٰ کہ ان کا مسجود و مخدوم!!

ایک عبارت ہے اس کے 'وجود حیوانی' سے _________ تو دوسرا مظہر ہے اس 'روح ربانی' کا جو اس میں پھونکی گئی اور جس کی بنیاد پر وہ مسجود ملائک قرار پایا۔ بفحوائے الفاظ قرآنی:

فاذا سویتهٗ ونفخت فیه من روحی فقعوا له سجدین (سورة الحجر: ۲۹،صٓ :۷۲)

''اور جب میں اسے پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تب گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔!''

اب _________ اصحاب دانش و بینش میں سے جن کی نظر اپنے وجود کے 'علوی جزو پر جم کر رہ گئی اور وہ اس کی عظمت و رفعت کے مشاہدے میں محو ہو کر رہ گئے ان میں سے کوئی حیران ہو کر پکار اٹھا "سبحانی ! ما اعظم شانی!" کسی نے جذب و مستی کے عالم میں نعرہ لگا دیا "انا الحق !!" اور کوئی کیف و سرور سے سرشار ہو کر کہہ بیٹھا "لیس فی حبت الا الله!" _________ اور جن کی نگاہ تحقیق و تمحیص اور اسی کے متعلق تفحص و تعمق میں گم ہو کر رہ گئے انہیں اس کا تعلق لامحالہ بندروں، بن مانسوں اور گوریلوں ہی سے جوڑتے بنی!!

واضح رہے کہ وجود انسانی کے یہ دونوں اجزائے ترکیبی ایک دوسرے سے بالکل آزاد اور اپنی اپنی جگہ کامل اور ہر اعتبار سے خود مکتفی ہونے کے باوصف غایت درجہ متصل ہی نہیں باہم وگر پیوست ہیں _________ فہم انسانی کے عظیم ترین مغالطّوں سے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روح انسانی کو 'جان' کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ 'جان' یا 'زندگی' یا (LIFE) تو انسان کے وجود حیوانی کا لاینفک ہے _____ اور روح انسانی اپنا جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتے ہوئے اس وجود حیوانی کے ساتھ ''اتصالے بے تکیّف بے قیاس (ا)'' کے رشتے میں منسلک ہے _________ روح کے وجود حیوانی کے ساتھ اس اتصال کے ضمن میں ''کہاں'' اور ''کیسے'' کے سوالات ویسے ہی لاینحل ہیں جیسے خود یہ سوال کہ جان اور جسم کا تعلق کس نوعیت کا ہے اور کس عضو سے متعلق ہے۔ اگرچہ بہت خوب کہا ہے کسی کہنے والے نے کہ:

مزید برآں _____ انسان کے یہ دونوں وجود 'دانا' 'بینا' ہیں۔ اس کی آنکھیں صرف ظاہری یا حیوانی دیکھنا دیکھتی ہیں _____ اور کان صرف ظاہری یا حیوانی سننا سنتے ہیں اور یہ دونوں حواس ظاہری اپنی حاصل کردہ معلومات (SENSE DATA) کو عقل حیوانی یعنی دماغ (BRAIN) کے حوالے کر دیتے ہیں جو ان سے نتائج اخذ کرتا ہے

جبکہ روح انسانی بھی نہ صرف دیکھتی ہے سنتی ہے _____ بلکہ تعقل اور تفقہ بھی کرتی جس کا کوئی تعلق عقل حیوانی یا دماغ سے نہیں ہے _____ روح کے آلہ بصارت وسماعت اور تعقل وتفقہ کا نام اصطلاح قرآنی میں 'قلب' ہے۔ بجوائے آیات قرآنی:

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئك کالانعام بل ھم اضل (سورۃ الاعراف: 179)

''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سوچتے نہیں' اور ان کی آنکھیں ہیں پر ان سے دیکھتے نہیں' اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں! یہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں!

افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اٰذان یسمعون بھا فانھا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (سورۃ الحج: 42)

''تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا۔ پھر اگر ان کے دل (بیدار) ہوتے تو ان سے سوچ بچار کرتے یا ان کے کان ہوتے جن سے سنتے، اس لئے کہ (اصل میں) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں!

یہی نہیں _____ بلکہ وحی جلی اور وحی خفی کے اشارات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ 'قطب' _____ روح انسانی کے لئے صرف ذریعہ سماعت وبصارت اور آلۂ تعقل وتفقہ ہی نہیں' اس کا 'مسکن' بھی ہے اور اس کی مثال قندیل کے اس شیشے کی سی ہے جس کے اندر کوئی شمع روشن ہو _____ چنانچہ اگر روح انسانی کو اس چراغ سے تشبیہ دی جائے جس میں نور خداوندی جلوہ فگن ہے تو قلب مصفّٰی ومجلّٰی کی مثال اس صاف وشفاف شیشے کی ہے جو روح کے انوار سے اس طرح جگمگا اٹھتا ہے کہ انسان کا پورا وجود حیوانی بھی انوار الٰہیہ سے منور ہو جاتا ہے _____ چنانچہ یہی مفہوم ہے اس عظیم تمثیل کا جو سورۃ نور میں وارد ہوتی ہے:

اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہٖ کمشکٰوۃٍ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃٍ الزجاجۃ کانھا کوکب دریٌّ (سورۃ النور: 35)

''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال (قلب مؤمن میں) یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک دیا ہو، وہ دیا ایک شیشے میں ہو، (اور) وہ شیشہ ایسے ہو جیسے ایک چمکتا ستارا!''

(اس آیۂ مبارکہ کے ضمن میں بالکل صحیح ہے وہ رائے جو اکثر متقدمین نے دی ہے کہ "مثل نوره" کے بعد "فی قلب المؤمن" کے الفاظ مقدر و محذوف ہیں!)

اس کے برعکس اگر شیشہ قلب فسق و فجور کی کثرت، خواہشات کی پرستش اور شہوات کے اتباع کے باعث داغدار اور مکدر ہو جاتا ہے تو روح کے انوار کے انسان کے وجود حیوانی میں سرایت کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیفیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اس طور سے جس کی وضاحت وحی خفی یعنی اس حدیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے:

ان المؤمن اذا اذنب كانت نكتة سوداء فی قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذالكل الرأن الذی ذكر الله تعالی "كلا بل ران علی قلوبهم ما كانوا يكسبون" (احمد و ترمذی عن ابی هريرة)

''مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ واستغفار کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اور گناہ کرتا ہے تو (دل کی) سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے چنانچہ یہی ہے وہ دلوں کا زنگ جس کا ذکر اللہ نے اس آیۂ مبارکہ میں فرمایا ہے ''نہیں بلکہ زنگ لگ گیا ہے ان دلوں پر ان اعمال کے سبب سے''۔

اور اس عمل (PHENOMENON) کی یہی وہ منطقی انتہا ہے جسے 'وحی جلی' میں ختم قلوب اور طبع قلوب سے تعبیر فرمایا گیا ____ بمجوائے الفاظ قرآنی:

ختم الله علی قلوبهم علی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم (سورة البقرہ: 7)

''اللہ نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بہت بڑی سزا ہے اولٰئك الذين طبع الله علی قلوبهم وسمعهم وابصارهم اولٰئك هم الغٰفلون (سورة النحل: 108) ''یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہی ہیں (حقائق و معارف سے) غافل و بے خبر۔!

اور یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآن انسان کی روحانی موت سے تعبیر فرماتا ہے اس لئے کہ اس حال میں انسان کے وجود حیوانی کا اس روح ربانی سے تعلق بالکل منقطع ہو جاتا ہے جس نے اسے شرف انسانیت عطا فرمایا تھا۔ اور اس کا نہاں خانہ قلب روح کی قبر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نتیجتاً انسان کی صورت میں ایک دو ٹانگوں پر چلنے والا حیوان باقی رہ جاتا ہے جو 'حقیقت انسان' کے اعتبار سے ایک چلتے پھرتے مقبرے اور متحرک

'تعزیے' کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اولٰئك كالانعام بل هم اضل !!

چنانچہ ایسے ہی حقیقت کے اعتبار سے مردہ اور ظاہر اعتبار سے زندہ انسانوں کا ذکر ہے ان آیات قرآنیہ میں:

انك لا تسمع الموتىٰ (سورة النمل:80)

''(اے نبی)! آپ نہیں سنا سکتے ان مردوں کو!''

فانك لا تسمع الموتىٰ ولا تسمع الصم الدعاء

تو اے نبی آپ نہ ان مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ ان بہروں تک اپنی دعوت پہنچا سکتے ہیں۔

جنہیں بعض لوگ خواہ مخواہ گھسیٹ لے جاتے ہیں سماع موتی کے ایک اختلافی مسئلے پر بحث مباحثے میں!

الغرض! جب تک کوئی شخص انسانی شخصیت کے ان دو متضاد اجزائے ترکیبی کو نہ جان لے وہ دین و مذہب کے لطیف تر حقائق اور وحی آسمانی میں وارد شدہ معارف و حکم کا کماحقہ ادراک نہ کر سکے گا۔ اور بایں محرومی و تہی دستی اگر مقام دعوت پر فائز ہو جائے گا تو اس کی تمام تر گفتگو احکام شریعت اور نظام اسلام کے بارے میں ہوگی۔ حقائق ایمانی کا تذکرہ ہوگا بھی تو بس سرسری سا ____ اور اگر شارح و مفسر قرآن بن بیٹھے گا تو لغت و نحو کے اشکالات، معنی و بیان کے لطائف اور فصاحت و بلاغت کے نوادرات سے تو خوب بحث کرے گا لیکن فلسفہ و حکمت دین کے لطیف و غامض نکات اس کی نگاہ سے اوجھل رہ جائیں گے اور حقائق و معارف ایمانی کے اعتبار سے اہم ترین مقامات سے وہ ایسے گزر جائے گا جیسے وہاں کوئی لائق توجہ بات ہے ہی نہیں! فاعتبروا یا اولی الابصار

حواشی

(1)

(2) سورۃ التین آیات ۴،۵ (ترجمہ) ''یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین ساخت پر پھر لوٹا دیا اسے نیچے والوں میں سب سے نیچے''۔

(3) الاله الخلق والامر (سورۃ الاعراف:۵۴)

(4) خاکی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز (اقبال)

(5) ع ''قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے۔''

(6) منصور حلاج اور کابر صوفیاء کی شطحیات۔ یعنی وہ جملے جو جذب و مستی کے عالم میں یعنی حالت سکر میں ان کے منہ سے نکل گئے۔ ان میں سے منصور کو اس لئے دار پر چڑھنا پڑا کہ وہ حالت صحو میں بھی اسی مؤقف پر قائم رہا۔!

(7) اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس' رومی

دم چیست؟ پیام است! شنیدی نشنیدی! در خاک تو یک جلوۂ عام است! ندیدی!!

کائنات میں انسان کا مقام

عہدِالست

انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے کچھ ایسے فطری ضابطے اور صلاحیتوں کے استعمال کے ایسے معین سانچے (PATTERN) اپنے ساتھ رکھتا ہے کہ وہ ہر چیز جو اس کا شکار ہوسکتا ہے مگر سانس باقی ہے تو ان چیزوں سے محرومی کا رونا نہیں رو سکتا

جیسے _____ انسان اس دنیا میں جب آنکھ کھولتا ہے تو اس کی بناوٹ اور جسمانی ساخت اور کیفیت کا تقاضا ہے کہ کسی کا دست شفقت اس کا سہارا بنے اور کسی کا ایثار اور قربانی اس کے لئے رزق فراہم کرے کسی کی ممتا اور رحمت اس کے لئے سہولتیں فراہم کرے اور کسی کی اخلاقی اس کی زندگی کی ڈور قائم ودائم رکھے مگر انسان اس دنیا میں آنے کے طویل عرصہ بعد تک اپنی تخلیق پر غور کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

اس سے بڑھا اپنے ضروریات زندگی اور معاشرت کے تقاضے اس کا اولین ہدف بنتے ہیں جس میں جسم وجان کی صلاحیتیں اور وقت صرف کرسے۔

ایک خاص مدت تک جو 10 سال سے لے کر 25 سال تک ہوسکتی ہے (یا بعض حالات میں 40 سال بھی ہوسکتی ہے یا اس سے بھی زیادہ) انسان اپنے داخلی داعیات اور فطری رجحانات کی روشنی میں ماحول کے زیر اثر خارجی دنیا سے نبرد آزما رہتا ہے تب کہیں جا کر اس کا ذہن ارتقائی مراحل طے کر کے بیٹھتا ہے کہ وہ پیچیدہ اور باریک مسائل پر غور کر سکے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں میرا خالق کون ہے اور مرے ذمے کام کیا ہیں؟

انسان کا شعور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کچھ وقت مصروفیات سے نکال ایسی بات پر غور کرنے پر صرف کرے کہ اس کا اس کائنات میں کیا مقام ہے؟ غور وفکر کا حاصل یہ ہے کہ انسان آسمانوں زمین کے بنانے والی کامل ہستی ہے کی طرف سے اس کائنات میں ایک کلیدی کردار لے

کر یہاں آیا ہے اور مخلوقات میں سے اس کو تخلیقی طور پر ممیّز کر کے اپنے خالق و مالک کی پہچان کا داعیہ پوری زندگی میں اس کی پوری پوری اطاعت کا جذبہ ودیعت کر دیا گیا ہے چنانچہ _____ ہر انسان کی یا مری کامیابی کسی باکمال ہستی کی بنائی ہوئی اس کائنات میں موجودہ دنیاوی زندگی کے دوران مکمل ہم آہنگی کا مظاہرہ ہے جس کے لئے _____ میرے اندر دل کی گہرائیوں میں کئی شواہد موجود ہیں۔ اور ایک کامل اور سلجھا ہوا انسان وہی ہوسکتا ہے کہ جو خالق ارض وسما کے دیے ہوئے فطری ضابطوں اور اپنے خاص بندوں کے ذریعے اتاری گئی ہدایات کے مطابق آنے والی موت تک کا وقت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ گذار سکیں۔

قلب ان کی گہرائی سے اٹھنے والی یہ فطرت کے اشارے ہم انسان محسوس کر سکتا ہے۔ بحث مباحثہ اور میں نہ مانوں کا راگ الگ بات ہے اور بقول مولائے رومؒ ؎

بنی اندر دل علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا

علوم انبیاء کی بنیادیں ہماری فطرت ہی میں ہیں۔ انبیاء کرام تو صرف ان روحانی تاروں کو اپنے کلام سے مضراب کی طرح چھیڑتے ہیں جس سے انسان کی داخلی کیفیات میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور انسان باطنی تجربات اور احساسات کے تحت اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اور اس کے بعد اس کے سامنے اپنے مواخذے اور جواب دہی کا قائل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں اس اعتراف ہی کو ایک نام دیا گیا ہے کہ یہ اعتراف حقیقت دراصل عکس جمیل ہے اس عہد کا جو انسان اپنے رب سے اپنی حیات جاودانی کے ازلی مرحلے میں (روح کی تخلیق کے فوراً بعد اور جسم انسانی کی تخلیق سے پہلے) کر کے آیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

واذ اخذربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم علیٰٓ انفسهم الست بربكم ط قالوا بلیٰ شهدنا ان تقولوا يوم القيٰمة انا كنا عن هٰذا غٰفلين o او تقولو انما اشرك اٰبآؤنا من قبل وكنا ذرية من بعدهم افتهلكنا بما فعل المبطلونo

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو

ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرلیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) (یہ اقرار اس لئے کرایا تھا کہ) قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو انکی اولاد تھے (جو) ان کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (اعراف 174 :172)

یہ ہے وہ عہد الست جس کے اثرات انسانی فطرت، نفسیات قلبی ودماغی اور جسمانی اعضاء کی بناوٹ میں موجود ہیں اور انسان بے حس نہ ہوگیا ہو تو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس عہد کے یاد آجانے سے انسان میں اپنے اردگرد وسیع کائنات پر غور وفکر کی راہیں کھلتی ہیں اور انسان اس وسیع دنیا میں اپنا مقام متعین کر کے اپنے فکری اور عملی سفر کا صحیح رخ پر آغاز کر دیتا ہے اور پوری استقامت سے اسی راہ پر چلتے رہنے والا ہے مستقیم ہے اور بطور ظرف لفظ مستقیم بولیں تو ایسی راہ ہی صراط مستقیم کہلاتی ہے۔ اور زندگی کے دوران اسی روش پر کاربند رنے سے ہی انسان کا رشتہ اپنے خالق سے قائم رہتا ہے اور معرفت رب اور معرفت الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں۔

خالق کائنات کا تخلیقی شاہکار

خلقته بیدی

انسان کی تخلیق میں اللہ تعالی نے دو متضاد قسم کی خصوصیات جمع کر دی ہیں۔ روح نوری الاصل ہے جبکہ جسم خاکی الاصل ہے روح اور جسم کا یہ فرق روح اور جسم کے علیحدہ علیحدہ تقاضوں کو جنم دیتا ہے روح کے کچھ خاص تقاضے ہیں جبکہ جسم کے تقاضے اس سے بالکل متضاد اور مختلف ہیں جسم کے اپنے حواس اور خاص ذرائع علم ہیں۔ اس علم سے معلومات حاصل کر کے اور جسم کے خاص ذرائع تعقل (INTELECT) استدلال اور استنتاج ہیں۔

انسان اپنی ہی آنکھوں کانوں اور دیگر حواس (چکھنا، سونگھنا اور چھونا) سے معلومات حاصل کرتا ہے ان پانچ حواس میں سے سماعت وبصارت بہت اہم اور بنیادی ہیں جن کا قرآن

پاک میں بالخصوص ذکر ہے۔

اسی طرح روح کے اپنے ذرائع علم ہیں۔ روح کی الگ آنکھیں ہیں جوان آنکھوں کے ساتھ ہیں دل ہے کان ہے وغیرہ وغیرہ بقول شاعر

ے دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آنکھ اندھی ہو تو ضروری نہیں دل بھی اندھا ہو مگر دل اندھا ہو تو آنکھیں ٹھیک ہونے کے باوجود حقیقت شناس نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ روح کی آنکھ سے دیکھنا اور روح کے کانوں سے سننا ہی اصل انسانیت ہے

عمر ویران دگر آموز شنیدن دیگر آموز

روح عالم امر سے ہے جبکہ جسم عالم خلق سے ہے دونوں عالم اللہ تعالی شان خلاقی کے مظہر ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

الا له الخلق والامر (اعراف۔54)

خبردار۔ عالم امر اور (عالم) خلق اسی اللہ تعالی کے (اختیار وحکومت) ہیں۔

چنانچہ یہ بات انسان کے شرف کے لئے کافی ہے کہ انسان میں دونوں عال جمع ہیں جبکہ کوئی دوسری مخلوق اس شرف میں انسان کی ہم پلہ نہیں ہے اور اس شرف میں انسان کی شریک نہیں ہے اس عظمت ان کی اظہار ان الفاظ سے بھی مترشح ہے۔

"خلقته بیدی"

ترجمہ: میں (اللہ تعالی) نے اسے (آدم علیہ السلام) کو اپنے دونوں قدرتوں (عالم امر اور عالم خلق) کے ساتھ پیدا کیا۔

عالم امر سے روح کا تعلق ہے فرشتوں کا تعلق ہے اسی روح کی وجہ سے انسان اللہ تعالی کی وحی کا وصول کنندہ صحیح الفاظ ہیں مہبط (RECEPIENT) بنا ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی روحیں اعلیٰ درجہ کی تھیں جو 'وحی' کی تجلی کو برداشت کرسکیں جبکہ عام روح اس کی متحمل نہیں ہوسکتی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لو انزلنا هٰذا القرآن علیٰ جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله

(الحشر۔22)

ترجمہ: ''اگر ہم قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اگرچہ 'وحی' کا لفظ عام انسانوں (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ اور شہد کی مکھی کے لئے بھی آیا مگر وہ 'وحی' وحی نبوت سے قطعاً مختلف ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 85 کے فائدہ میں فرماتے ہیں

''رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم علامہ سید انور شاہ کاشمیری اطال اللہ بقاءہٗ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی ہاں تین چیزیں ہیں

(۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ

(۲) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ کہتے ہیں

(۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ''ارواح'' یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو ''روح'' کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ''بدن مثالی'' سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضا رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' کی تفسیر میں نقل کیا، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تار پڑھا کہ ''حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا۔ جس میں اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کسی ہواباز کی مدد سے عمل میں آتا ہے۔'' آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اسکا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر ''امر ربی'' کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

شیخ فریدالدین عطارؒ نے ''منطق الطیر'' میں کیا خوب فرمایا

ہم ز جملہ بیش و ہم بیش از ہمہ
جملہ از خود دیدہ و خویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو ''کن'' کی مخاطب ہوئی۔ روح حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا ''کن'' (اس کام میں لگ جا) بس یہ ہی اس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائیگی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائیگی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

هذا ماعندی وعند الناس ماعندهم والله سبحانه و تعالی هو الملهم للصواب

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ

(عظمت صوم نامی کتابچے کا ایک حصہ)

واقعہ یہ ہے کہ 'ارواح انسانی' کا ایجاد وابداع 'اجساد' کہ تخلیق سے بہت پہلے "جنود مجندة" (مسلم عن ابی هریره) کی صورت میں ہوا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عالم اجساد میں تخلیق سے بہت قبل خود ان کی اور ان سے لے کر تا قیام قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح مستقل جداگانہ تشخص اور پورے شعور ذات اور فیما بین جملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔

اور اس حقیقت کے ادراک وشعور کے بغیر، واقعہ یہ ہے کہ عہد الست کا وہ اہم واقعہ جسے قرآن مجید نے بڑے اہتمام اور شد ومد کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے محاسبہ اخروی کے ضمن میں ایک اہم حجت قرار دیا ہے یا تو محض تمثیل واستعارہ قرار پاتا ہے یا پھر اس کے بارے میں اچھے اچھے مصنفین کے قلم سے بھی نادانستہ انتہائی لغو اور مہمل جملے نکل جاتے ہیں (۱)۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عہد اجساد انسانی کی تخلیق سے قبل عالم ارواح میں ارواح انسانی نے پورے ہوش اور شعور کے ساتھ کیا اور میدان حشر میں جب تمام نسل انسانی دوبارہ (۲) ''جنود مجندہ'' کی صورت میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہوگی تو یہی عہد الست ان کے خلاف حجت اولیٰ کے طور پر پیش وگا! (مبادا تم کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یوں کہنے لگو کہ اصل میں تو شرک کا ارتکاب کیا تھا ہم سے

بہت سے پہلے ہمارے آباؤاجداد نے اور ہم تو بعد میں ان کی نسل میں پیدا ہوئے تھے!'' سورۃ الاعراف آیات: 172,173)

اسی طرح اس حقیقت کو جانے اور مانے بغیر کوئی توجیہہ ممکن نہیں ان متعدد احادیث کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خلق کے اعتبار سے سب پر مقدم ہیں بلکہ آپ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ ابھی جسد آدمؑ تخلیق وتسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا _____ اس سلسلے میں اس روایت سے قطع نظر جس میں " اول ماخلق الله نوری" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لئے کہ وہ محدثین کرام کے نزدیک مستند نہیں ہے، آخر اس حدیث کی کیا توجیہ ممکن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی هریره قال : قالوا یارسول الله ! متٰی وجبت لك النبوة ؟ قال: "و آدم بین الروح والجسد!" (رواه الترمذی وقال هذا حدث حسن)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) ترمذی بحوالہ ترجمان السنہ اول

ظاہر ہے کہ اس کی ایک توجیہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجساد انسانی کی تخلیق سے بہت قبل ارواح انسانی خلعت وجود سے مشرف ہو چکی تھیں اور ان کے مابین مراتب ومناصب کے جملہ امتیازات بھی موجود تھے۔!

بعد ازاں جیسے ہی آدم کے جسد خاکی کا ہیولیٰ تخلیق وتسویہ کے طویل مراحل بے کر کے اس قابل ہوا کہ روح آدم اس سے ملحق کی جا سکے تو نفخ روح ہوا اور روح وجسد کا یہ مجموعہ مسجود ملائک قرار پایا بفحوائے آیات قرآنی

1۔ واذقال ربك للملٰئكة انی خالق بشرا من صلصال من حمإٍ مسنون فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا لهٗ سٰجدین (الحجر: 29-28)

اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے: (میں پیدا کرنے والا ہوں) اس سنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہے ایک بشر، تو جب میں اسے پوری طرح مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

2۔ واذ قال ربك للملٰئكة انی خالق بشرا من طین فاذا سویته ونفخت من روحی فقعوا له سجدین

اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے: میں بنانے والا ہوں مٹی سے ایک بشر۔ تو جب میں اسے پوری طرح بنا کر درست کر دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

اور پھر پوری نوع انسانی کو صلب آدم سے متعلق کر دیا گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے ارحام امہات میں افراد

نوع انسانی کے اجساد تیار ہوتے رہے ایک خاص مرحلے پر جنوداروا ح میں سے ایک ایک روح ان کے ساتھ متعلق کی جاتی رہی۔ جس کو تعبیر کیا سورۃ المؤمنون میں ''خلقا اخر'' کے الفاظ مبارکہ سے اور جس کی خبر دی مزید وضاحت کے ساتھ صادق ومصدوق علیہ الصلو ۃ والسلام نے۔ از روئے آیات وحدیث مندرجہ ذیل:

1۔ وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلٰلة من مآءٍ مهین ثُم سوٰهُ ونفخ فیه من روحه

اور اس نے انسان کی تخلیق کا آغاز کیا مٹی سے، پھر چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے ۔ پھر اس کو درست کیا پوری طرح اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے۔!

2۔ ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقناالمضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأنٰه خلقنا اخر فتبارك الله احسن الخٰلقین (المؤمنون:14-12)

اور ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے پھر کر دیا ہم نے اس کو ایک بوند جمے ہوئے ٹھکانے میں، پھر بنایا اس بوند سے ایک علقہ اور پھر بنایا اس علقہ سے ایک لوتھڑا، پھر بنائیں اس لوتھڑے سے ہڈیاں، پھر پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔ اور پھر اٹھایا اسے ایک اور ہی اٹھان پر۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب سے اچھی تخلیق فرمانے والا۔!

3۔ عن ابی عبدالرحمٰن بن مسعود رضی الله عنه قال حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق والمصدوق : " ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یوما نطفة ثم یکون علقة مثل ذلك ثم یکون مضغة مثل ذلك ثم یرسل الیه الملك فینفخ فیه الروح۔ (رواه البخاری والمسلم)

ابوعبدالرحمٰن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے جو سچے ہیں اور ان کی سچائی مسلم ہے کہ: ''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق رحم مادر میں چالیس دن تو نطفے کی صورت میں ہوتی ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی صورت میں، پھر اتنے ہی دن مضغہ کی صورت میں۔ پھر اس کے بعد ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے

(اس حدیث کو روایت کیا امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے)

واضح رہے کہ یہاں روح سے مراد زندگی لینا بہت بڑا مغالطہ ہے اس لئے کہ بے جان تو نہ وہ' بیضة الانثیٰ' ہی ہوتا ہے جو طویل مسافت طے کر کے رحم میں پہنچتا ہے اور نہ 'نطفة الرجل' جو نہایت جوش وخروش سے حرکت کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ رہے علقہ اور مضغہ تو ان میں نشوونما کا خالص حیاتیاتی عمل انتہائی زور وشور سے جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بے جان مادے میں زندگی پھونکنے کا کوئی

سوال نہیں بلکہ جسد انسانی کے ساتھ جو تخلیق وتسویہ کے مراحل طے کر رہا ہے روح انسانی کے الحاق کا معاملہ ہے، فافهم وتدبر

اب آیئے اصل موضوع کی طرف!

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے:

ایک اس کا وجود حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد وحیات دونوں کا اور دوسرے روحِ انسانی (3) جس کے شرف ومجد کے اظہار کے لئے اللہ تعالی نے اسی اپنی ذات کی طرف نسبت دی!

(ونفخت فيه من روحي!) ایک کا تعلق ہے عالم خلق سے جس میں تخلیق وتسویہ کا عمل لازماً تدریج وارتقاء کے مراحل سے ہو کر گزرتا ہے، جب کہ دوسرے کا تعلق ہے عالم امر سے جہاں ابداع اور ایجاد وتکوین کا ظہور کن فیکونی شان کے ساتھ ہوتا ہے بجوائے الفاظ قرآنی:

1۔ ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل: 85)

اور وہ پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں۔ کہو روح میرے ب کے امر سے ہے!

2۔ ومآ امرُنا الا واحدة كلمح بالبصر (القمر: 50)

اور نہیں ہے ہمارا امر مگر بس ایسے جیسے ایک لپک کی نگاہ۔!

3۔ انما امرہٗ اذآ اراد شيئا ان يقول له كن فيكون (يسين: 86)

اور اس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ وہ بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور ہو جاتا ہے۔!

مزید برآں ــــــ ایک کا رجحان ہے عالم سفلی کی طرف جبکہ دوسرے کی پرواز ہے عالم علوی کی جانب، بلکہ ایک بالقوہ "اسفل سافلين" (۴) کے حکم میں ہے تو دوسرے کا اصل مقام اعلی "عليين" (۵) میں ہے، ایک خاکی الاصل ہے اور "كل شئ يرجع الى اصله" (۶) کے مصداق "ولكنه اخلد الى الارض" (۷) کی مکمل تصویر، جبکہ دوسرا نوری الاصل اور ع: "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن!" کے مصداق ہمیشہ عالم بالا کی جانب مائل ومتوجہ۔ ایک خالصۃً حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم ربہ ہی نہیں بالقوۃ ان سے بھی آگے! بقول شیخ سعدیؒ ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشتہ وز حیواں

گویا دونوں باہم متضاد متصادم ہیں۔ چنانچہ ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے! چنانچہ بطن وفرج کے تقاضوں کی بھرپور تسکین اور کثرت آرام واستراحت سے روح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسد خاکی چلتا پھرتا

اور کھاتا پیتا الغرض ہر اعتبار سے زندہ ہی نہیں خوب فربہ (۸) وتوانا نظر آتا ہے درانحالیکہ اس کی روح، کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسد انسانی اس روح کے لئے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتی ہے اور بفحوائے الفاظ قرآنی:

انك لا تسمع الموتىٰ ولا تسمع الصم الدعآء(النمل: 80 ،الروم:56)

یقیناً (اے نبی) تم نہیں سنا سکتے (اپنی بات) مردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو (اپنا پیغام) بہروں کو!

افسوس کہ دور حاضر میں مادہ پرستانہ نقطہ نظر کے تسلط کے باعث روح اور جسد کے جداگانہ تشخص اور ان کے تقاضوں کے حتیٰ کہ بہت سے جدید 'مفکرین اسلام' تو اس حقیقت کبریٰ کا ذکر بھی بطرز استہزاء واستحقار کرتے ہیں۔ چنانچہ عصر حاضر کے ایک بہت بڑے مفکر اسلام (۹) ''اسلام کا روحانی نظام'' کے عنوان سے ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں:

''فلسفہ ومذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیل کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کا عالم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم مخالف ہیں۔۔۔۔ اسلام کا نقطہ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔۔۔''

اس ضمن میں انہوں نے 'دنیا پرستی' اور 'ترک دنیا' کی دو انتہائی صورتون کی جو تردید کی ہے وہ اصولاً بالکل درست ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب کیوں منعطف نہ ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ان دونوں انتہاؤں کی موجودگی بجائے خود اس کا ثبوت ہے

کہ انسانی شخصیت میں دو بالکل متضاد اور مخالف قوتیں کارفرما ہیں، جن کے مابین مسلسل رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی ایک کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کبھی دوسری کا۔ بقول علامہ اقبالؒ

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں ؎
کبھی سوز وساز رومیؔ کبھی پیچ وتاب رازیؔ

اسلام بلاشبہ ان کے مابین توازن پیدا کرنا چاہتا ہے اور عدم توازن (۱۰) کو ہرگز پسند نہیں کرتا لیکن توازن کا یہ تصور بجائے خود دلیل قاطع ہے اور جسد روح کے تضاد اور ان کے تقاضوں کے باہم متقابل ومتبائن ہونے کی۔ بقول شاعر ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای!
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش!

واقعہ یہ ہے کہ فکر ونظر کی اس بنیادی غلطی نے تصور دین کی پوری عمارت ہی کو کج کر ڈالا ہے۔ چنانچہ جب روح صرف زندگی کے ہم معنی ہو کر رہ گئی تو 'دین' بھی بس ایک 'نظام حیات' بن کر رہ گیا اور مذہب کا ایک ایسا

لامذہبی (SECUALR) ایڈیشن تیار ہوگیا۔ جس میں مذہب کے لطیف حقائق سرے سے خارج از بحث ہوگئے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج! تا ثریا میں رود دیوار کج!!

ایک حقیقت کی جانب مزید توجہ فرمالیجئے!

جسد انسانی یا انسان کا وجود حیوانی خاکی الاصل ہے چنانچہ اس کی جملہ ضرورتیں اور اس کے تغذیہ وتقویت کا تمام سامان بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ روح انسانی قدسی الاصل اور "امـر رب" ہے لہٰذا اس کے تغذیہ وتقویت کی ضرورت بھی تمام تر کلام ربانی ہی سے پوری ہوسکتی ہے جسے قرآن حکیم نے روح (۱) ہی سے تعبیر کیا ہے از روئے آیت مبارکہ:

1۔ وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ماكنت تدرى ما الكتب ولا الايمان ولكن جعلنه نوراً نهدى به من تشآء من عبادنا۔ (الشوریٰ: 56)

اور اسی طرح (اے نبی) ہم نے وحی کی تمہیں ایک روح اپنے امر سے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ لیکن (اب) بنادیا ہے اسے ایک نور جس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں ہم اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں!

یلقی الروح من امره علی من یشاء من عباده (المؤمن: 15)

القاء فرماتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔

3۔ ینزل الملئکة بالروح من امره علی من یشاء من عباده (النحل: 2)

''نازل فرماتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قرأت واستماع قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن مجید اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں نے اشارۃً اور کنایۃً واضح فرمادیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزو لاینفک! چنانچہ قرآن نے وضاحت فرمادی کہ روزوں کے لئے ماہ رمضان معین ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی نزول قرآن کا سالانہ جشن!

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن۔ (البقرة: 185)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کردیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ:۔

1۔ امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ حضورﷺ کا شعب الایمان میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

جعل الله صيامه فريضة وقيام ليله تطوعا

''اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر''

گویا قیام اللیل اگرچہ "تطوعا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے 'مجعول' بہرحال ہے!

2۔ من صام رمضان ايمانا و احتسابا غُفرله ماتقدم من ذنبه ومن قام رمضان ايمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه

جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان اور احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ۔ اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ۔

3۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے روایت کیا کہ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ:

الصيام والقرآن يشفعان للعبد يقول الصيام اى رب انى منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعنى فيه ويقول القرآن منعته النوم بالليل فشفعنى فيه فيشفعان۔

روزہ اور قرآن بندہ مومن کے حق میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا اے رب! میں نے روکے رکھا دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ تو دونوں کی سفارش قبول کی جائیگی۔

اور اب غور فرمایئے صوم رمضان کی حکمتوں پر!

حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام وقیام رمضان کی اصلی غایت وحکمت اور ان کا اصل ہدف ومقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جاسکتا ہے کہ:___ ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف واضمحلال کا سبب بنے تاکہ روح انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے_____ اور دوسری طرف قیام اللیل میں کلام ربانی کا روح پرور نزول (۱۲) اس کے تغذیہ وتقویت کا سبب بنے _____ تاکہ ایک جانب اس پر کلام الٰہی کی عظمت کما حقہ منکشف ہوجائے اور وہ اچھی طرح محسوس کرلے کہ یہی اس کی بھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی

عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے! ___ اور دوسری جانب روح انسانی از سر نو قوی اور توانا ہو کر ''اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز'' ہو گویا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغول دعا و مناجات ہو جو اصل روح ہے عبادت (۱۳) کی اور لب لباب ہے رشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات (۱۴) ہیں:

اولاً ___ مجرد صوم کی مشروعیت اور اس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض و غایت بیان ہوئی " لعلکم تتقون " کے الفاظ میں اور

ثانیاً ___ صوم رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر: ایک ___ ''ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون'' کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشاف عظمت نعمت قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں ہدیہ تکبیر و تشکر پیش کرنے سے ___ اور دوسرے ___ "واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان--- لعلھم یرشدون" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان ک متوجہ الی اللہ و متلاشی قرب الٰہی اور مشغول دعا اور محو مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادت رب کا!

الغرض! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کرے اور پوری شدت و قوت اور کمال ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جائے!

اب ذرا ایک بار پھر سوچئے کہ یہ روح انسانی درحقیقت ہے کیا؟ جیسے کہ پہلے واضح ہو چکا ہے یہ ''امر ربی'' بھی ہے اور جلوہ ربانی بھی۔ اس کا تعلق ذات خداوندی کے ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی ایک کرن کا سورج کے ساتھ کہ لاکھوں اور کروڑوں میل دور آ جانے کے باوجود اپنے منبع سے منقطع اور اپنے جداگانہ وجود کے باوصف اپنی اصل سے منفصل نہیں بلکہ متصل ہے ___ بقول عارف رومیؒ ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس!

گویا قلب انسانی کی مکین روح ربانی براہ راست متصل ہے ذات رب کے ساتھ اور یہی ہے وہ عظیم امانت جس کے بارگراں کے نہ سماوات متحمل ہو سکے نہ ارض و جبال لیکن جو حصے میں آئی ظلوم و جہول انسان (۱۵) کے: ؎

آسماں بار امانت نتواں گشت کشید

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند!

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث قدسی کی رو سے قلب مومن کی مکین خود ذات الٰہی ہے:

ما وسعنی ارضی ولا سمائی ولکن وسعنی قلب عبدی المومن (احیاءعلوم الدین امام غزالی)

میں نہ زمین میں سما سکا نہ آسمان میں البتہ اپنے مومن بندے کے دل میں میری سمائی ہوگئی۔!

من نگنجم درزمین آسماں ؎ لیکن گنجم دردل مومن عیاں! (سعدیؔ)

تو کیا بالکل درست نہیں یہ قول مبارک کہ " الصوم لی وانا اجزی به'' ____ بلکہ " الصوم لی وانا اجزی به'' ____ اس لئے جب کہ دوسری بدنی اور مالی عبادتوں کا حاصل ہے تزکیہ وتطہیر نفس وہاں صوم رمضان کا حاصل ہے تغذیہ وتقویت روح جو متعلق ہے براہ راست ذات خداوندی کے ساتھ ____ لہٰذا روزہ ہوا خاص اللہ کے لئے اب چاہے یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی اس کی جزا دے گا یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی بہ نفس نفیس اس کا انعام ہے' کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ خدا تو منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی کوئی بندہ خلوص واخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو وہ بھی کمال شفقت وعنایت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جائے ____ یہاں تک کہ ایک حدیث قدسی کی رو سے اگر بندہ اس کی جانب چل کر آتا ہے تو وہ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے اور اگر بندہ اس کی طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو وہ بندے کی طرف ہاتھ پھر بڑھتا ہے ____ گویا بقول علامہ اقبالؔ مرحوم

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں! ؎
راہ دکھلائیں کسے؟ رہ رومنزل ہی نہیں!

حواشی

(۱) مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ''یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالم غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے''۔(تدبر القرآن جلد سوم صفحہ 394)

(۲) وعرضوا علی ربك صفا صفا لقد جئتمونا كما خلقنكم اول مرة بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا (الكهف: 48) ''اور وہ پیش کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے صف در صف (تب وہ فرمائے گا کہ) آپہنچے ہو تم ہمارے پاس بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی بار لیکن تم تو اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے لئے اس ملاقات موعودہ کے لئے کوئی وقت معین نہ کریں گے!''

(۳) اکثر لوگ روح کو حیات یا زندگی کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں حالانکہ زندگی تو جمیع حیوانات ہی نہیں نباتات تک میں ہے۔ وہ روح ربانی جس سے انسان جملہ حیوانات سے ممیّز ہوتا ہے بالکل دوسری چیز ہے!

(۴) سورۃ التین (۵) سورۃ المطففین۔

(۶) ایک مقولہ: ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے (۷) سورۃ الاعراف:172

(۸) قرآن حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر منافقین کے 'تن وتوش' کی جانب خصوصی اشارے کئے ہیں مثلاً سورۃ منافقون میں فرمایا: واذارأيتهم تعجبك اجسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم كانهم خشب مسندة(سورة المنافقون: 40)اور اے نبی جب تم انہیں دیکھتے تو ان کے تن وتوش سے متاثر ہو جاتے ہو چنانچہ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کو بغور سنتے ہو حالانکہ درحقیقت وہ سوکھی لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں سہارے سے رکھ دیا گیا ہو۔

(۹) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

(۱۰) اگرچہ عدم توازن کی تمام صورتیں برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت فرق ہے اس عدم توازن میں جو خود دنیا پرستی یا شکم پروری و شہوت پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عدم توازن میں جو ترک دنیا یا رہبانیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ سابقہ امتوں میں عدم توازن کی پہلی صورت کی مثال یہود ہیں جنہیں المغضوب علیہم قرار دیا گیا ہے اور دوسری صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنہیں صرف ''ضالین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تقابل کے لئے دیکھیے سورۂ الحدید، جس کے وسط میں یہود کا ذکر ہے جن کی دنیا پرستی، نتیجہ تھی، قساوت قلبی، کا اور آخر میں قبعین عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جن کی رہبانیت کو اگرچہ بدعت قرار دیا گیا لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ تھی یہ نیکی کے جذبے ہی کی ایک غیر معتدل صورت!

(۱۱) یہاں اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو جائے کہ وحی کے لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں ''روح القدس'' سے موسوم فرمایا ہے اور کہیں ''الروح الامین'' سے اور مہبط وحی بھی قرار دیا ہے قلب کو جو دراصل بمنزلہ 'شاہ درہ' ہے شہر روح کے لئے۔ تو حقیقت وحی کے ضمن میں بھی ایک کلید مل جاتی ہے اگرچہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے! گویا وحی خود بھی روح، اور اس کے لانے والا بھی روح اور اس کا مہبط بھی روح۔ جگر کا ایک شعر اس نغمہ وحی کی ماہیت کو خوب واضح کرتا ہے

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سنے اور روح سنائے!

(۱۲) تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف (اقبال)

(۱۳) احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام: ''الدعاء مخ العبادۃ' اور ''الدعاء ہو العبادۃ'

(۱۴) سورۃ البقرۃ آیات 183 تا 187 (۱۵) سورۃ الاحزاب آیت: 72

حقیقی انسان اور لباس

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور احسن تقویم کے تقاضوں کے عہدہ برآ ہونے کے لئے انسان کو اپنے حیوانیت کے عنصر کو ذرا 'مستور' رکھ کر اپنے روحانی اور خودی کے تقاضوں پر توجہ مرکوز کرنے کا داعیہ بخشا ہے چنانچہ انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے بچپن سے گذر کر جب عملی زندگی کا آغاز کرتی ہے تو فطرت کی رہنمائی میں انسان اچھا لباس، اچھا کپڑا اور اچھا جوتا، اچھی گھڑی، اچھا HAIR CUT اور جسمانی پاکیزگی کو پسند کرتا ہے

یہی انسانی فطرت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوا آتککم وریشا ط ولباس التقویٰ ذلك خیر ذلك من اٰیٰت الله لعلهم یذکرونo (اعراف-26)

ترجمہ: ''اے بنی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے یہ خدا کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں''۔

انسان کی دونوں صنفوں یعنی عورت اور مرد کا لباس جسم کو چھپانے والا ضروری ہے۔

مرد کے لئے کم از کم (MINIMUM) لباس ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ چھپانا ہے۔ اور عورت کے لئے عورت کے سامنے تو ناف سے لے کر گھٹنے تک کا ہی حصہ ستر ہے مگر عورت کا محرم مرد (بھائی باپ بیٹا وغیرہ) کے سامنے پورا جسم (سوائے چہرہ کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنے سے نیچے پاؤں ستر ہے۔ جبکہ عورت گھر سے باہر نکلے یعنی غیر محرم مردوں سے رابطہ کرنا پڑے تو اس گھریلو لباس کے اوپر ایک بڑی سی چادر اوڑھ لے (جس کی مختلف جو برقع نے اختیار کی ہیں)

انسان کے اندر نفس اور نفسانی (بڑی) خواہشات، شیطان، کے زیر اثر اس لباس سے شرارتاً گریز کی راہ اختیار کرنے کا رجحان رکھتی ہیں اور بے لباسی اور عریانیت اپنے میلان کے لئے مفید سمجھتی ہیں۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے

یٰبنی آدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیُریهما سواٰتهما انه یرٰکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم (الاعراف-27)

اے بنی آدم (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ ان کے ستر انکو کھول کر دکھا دے وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔''

حقیقی انسان اس غلط راہ پر نہیں چلتے جبکہ شیطان کے زیر اثر لوگ ہی بے لباسی عریانی اور فحاشی پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا!

انا جعلنا الشیطٰن اولیآء للذین لا یؤمنون (الاعراف-27)

ترجمہ: ''ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ہیں''۔

اس شیطانی سوچ اور بے راہ روی پر چلتے چلتے ہی مزاج پختہ ہو جاتا ہے اور انسان اپنی بدعملی اور بداخلاقی کے لئے جواز کی راہیں تلاش کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیهآ اٰبآئنا والله امرنا بها قل ان الله لا یامر بالفحشآء اتقولون علی الله مالا تعلمون (الاعراف- 28)

ترجمہ: ''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور خدا نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے کہہ دو کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔ بھلا تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں''۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن کا انسان مطلوب یا مرد مومن یا حقیقی انسان لباس کو انسانی شرف

سمجھتا ہے بلکہ کم ازکم لباس پر مزید اضافہ کر کے خوشنما اور زینت والا لباس تن زیب کرتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا!

یٰبنی اٰ دم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا

ولاتسرفوا انه لا یحب المسرفین(اعراف- 31)

ترجمہ:''اے بنی آدم! ہرنماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرواور کھاؤ پیواور (وسائل رزق) بے جانہ اڑاؤ کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

اللہ تعالی اچھا لباس پسند فرماتا ہے جو ستر پوشی کے تقاضے پورے کر رہا ہو (اپنی جائز حیثیت کے مطابق خوبصورت بھی ہو، اسراف سے گریز کیا گیا ہو) سابقہ قوموں میں دین سے بے زاری پیدا ہونے کی ایک وجہ رہبانیت یا دین داروں کا اپنے زعم میں دنیاوی آسائشوں کے استعمال سے گریز بھی تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جائز زیب وزینت کو کس نے حرام کیا ہے؟ یہ تو ہے اصلاً اہل ایمان اور حقیقی انسانوں کا حق ___ دنیا میں بھی اور آخرت میں تو خالصۃً ایسے ہی وفا کیش انسانوں کا جو اپنی حقیقت سے آشنا تھے

تخلیق انسان کے تدریجی مراتب

وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰہِ بِنْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں

قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ

کہ رسول اللہ تعالی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اور آپ کا فرمانا حق اور بجا ہے کہ

اِنَّ احدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْماً نُطْفَۃً

یقین جانو (تمہاری پیدائش کی تفصیل اس طرح ہے کہ) ماں کے پیٹ میں نطفہ چالیس روز منتشر رکھ کر ایک جگہ) جمع کر دیا جاتا ہے

ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ

(اور جمع کر کے اسے جمے ہوئے خون کی شکل دے دی جاتی ہے جسے علقہ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد چالیس روز علقہ رہ کر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔

ثُمَّ یُرْسَلُ اِلَیْہِ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ وَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ

بِکَتْبِ رِزْقِہٖ وَ اَجَلِہٖ وَ عَمَلِہٖ وَ شَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ

(۴) پھر چالیس روز مین وہ بوٹی (آدمی کی صورت کی بنادی جاتی ہے۔ جس میں اعضاء و جوارح ناک، کان، آنکھ وغیرہ جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالی اس کے پاس (روح پھونکنے والے) فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونک دیتا ہے، اور فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ (۱) اس کا رزق لکھنے کا (۲) اس کی عمر لکھنے کا (۳) اس کا عمل لکھنے کا (۴) اور یہ لکھنے کا شقی ہے یا سعید ہے یعنی نیک بخت ہے یا بد بخت

فَوَ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسولم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی

جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے

اِنَّ اَحَدَکُمْ لِیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھلَ الْجَنَّۃِ

بلاشبہ تم سے ایک شخص جنت والوں کے عمل کرتا ہے رہتا ہے۔

حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَھَا اِلَّا ذِرَاعٌ

حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے

فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ

تو کتاب آگے بڑھ جاتی ہے اور وہ دوزخ والوں کے عمل کرنے لگتا ہے

فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُھَا

جس کی وجہ سے دوزخ میں چلا جاتا ہے

وَاِنَّ اَحَدَکُمْ لِیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلَ النَّارِ

اور (اسی طرح دوسرا رخ بھی سمجھ لو کہ) بلاشبہ تم میں سے

ایک شخص دوزخ والوں کے عمل کرتا رہتا ہے

حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَھَا اِلَّا ذِرَاعٌ

حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے

فَیَسْبَقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ

تو کتاب آگے بڑھ جاتی ہے

فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَدْخُلُھَا۔

اور وہ جنت والوں کے عمل کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے جنت میں چلا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

حقیقی ایمان

انسان کا اپنی حقیقت کو پالینے کے بعد معرفت خداوندی کا دروازہ کھل جاتا ہے انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ تو نہیں سکتا اور آج تک کسی نے دیکھا ہے بس اس کی ذات وصفات اور اسمائے حسنیٰ سے اس کی معرفت حاصل کرسکتا ہے بقول اقبال انسان اللہ تعالیٰ کا ادراک نہں کرسکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک خیال اور تصور (CONCEPT) نہیں ہے بلکہ دل کی دنیا آباد ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات محسوس کی جاسکتی ہے۔ بقول اقبال

؎ حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

اور یہ دل

؎ عرش کا ہے کبھی کعبہ کا دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! میرا کاشانۂ دل

یا بقول سلطان باہوؒ ایہہ تن حجرہ رب سچے دا، پا فقیرا جھاتی ہو!

گویا اللہ تعالیٰ کی ذات دل کی دنیا میں محسوس کی جانے والی ایک حقیقت کبریٰ (PERCEPT) ہے قرآن مجید کے نزدیک یہ معرفت خداوندی انسان کے اپنی حقیقت کے پالینے کے بعد کائنات میں غور وفکر سے حاصل ہوتی ہے اور پھر انسان چلتے پھرتے بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے یہ ذکر الٰہی ہے اور دیگر اذکار کی شکلوں کے ساتھ قرآن مجید خود سب سے بڑا ذکر یعنی 'الذکر' ہے معرفت الٰہی کے حصول کے لئے کائنات میں غور وفکر اور ذکر لازم وملزوم ہیں

ایمان باللہ

ایمان کی طرف یہ پہلا قدم ہے جسے ایمان باللہ کہتے ہیں ایمان کے اس حصے کو الفاظ کا جامہ پہناہیں تو یوں کہیں گے کہ یہ سارا سلسلۂ کائنات ایک ہستی نے اکیلے (بغیر کسی کے تعاون اور مشورہ کے) پیدا کیا ہے اور اکیلے ہی اس نظام کائنات کو ہزاروں لاکھوں سالوں سے جلا رہا ہے وہ نہ تھکتا ہے نہ سوتا نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ اس بات پر یقین ایمان باللہ ہے۔

ایمان بالاٰخرۃ

اب مزید غور وفکر ہوگا اور اللہ کو یاد رکھیں گے 'ذکر' ہوگا تو کائنات کی ہر چیز کی طرح انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد ------- مقصد حیات واضح ہوگا۔ یہ زندگی آزمائش ہے اور یہ عارضی ہے۔ اس کی طرف فطری رہنمائی ------- انسان کے اندر ضمیر کی شکل میں ہے یا نیکی بدی کے درمیان ایک 'امتیاز کا احساس' کی شکل میں موجود ہے موت برحق ہے اور مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے نیز یہ دنیا نامکمل ہے ایک دوسری زندگی طویل زندگی ہوگی وہاں (رشوت، دھونس، دھاندلی، بے اصولی، سفارش، رشتہ داری وغیرہ ناانصافی کے سارے راستے بند ہوں گے تب اس دنیا کی زندگی کے امتحان کا صحیح نتیجہ نکلے گا اور وہ ------- جنت ہوگی یا جہنم ہوگی دائمی اور ہمیشہ کی زندگی۔ یہ ایمان باالاٰخرۃ ہے۔

ایمان باللہ اگر مضبوط ہو اور اللہ کو یاد رکھا جائے (اس کو راضی رکھنے کا جذبہ اور داعیہ ہو شوق ہو، حقیقی ذکر الٰہی ہو) تو ایمان بالاٰخرۃ لازماً پیدا ہوگا یہ دونوں ایمان انسانی فطرت میں ہیں۔ اور ایمان باللہ اور ایمان بالاٰخرۃ کا حصول نہاں خانہ دل کو کھودنے والی بات ہے اس لئے کہ حقیقی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا کوئی پرتو اور عکس ہر وقت رہتا ہے۔

اسی لئے انسان کے اپنے آپ کو پہچاننے کا نتیجہ یہی ہے کہ انسان میں یہ دو ایمانیات جڑ پکڑ جائیں ایمان باللہ اور ایمان بالاٰخرۃ یہ دونوں ایمان ------- ایک حقیقی انسان کی سلامتی طبع کے آئینہ دار ہیں اور اسی لئے قرآن کریم نے صحیح فطرت والے انسان کے دل کو قلب سلیم اور مطمئن دل یا نفس مطمئنہ کہا ہے۔ حقیقی انسان جو قلب سلیم کا مالک ہو اور ایمان باللہ اور ایمان بالاٰخرۃ کو پالے تو اسے حقیقی 'امن' اور 'سکون قلب' میسر ہوگا اور یہ سکون ایمان کا ثمرہ ہے۔ اس لئے کہ ایمان

کا لفظ بنا ہی 'امن' سے ہے جیسے جیسے ایمان گہرا اور پختہ ہوگا۔ امن کی کیفیت زیادہ ہوگی اور اگر انسان اس راہ میں ذرا سا چل کر تھک کر بیٹھ جائے اور عملی طور پر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے تو بھی 'سلامتی' کی کچھ کیفیات سے تو ضرور بہرہ ور ہوگا اسی کا نام 'اسلام' ہے۔ اور یہ لفظ سلامتی سے بنا ہے۔ گویا ایمان ------- اور اسلام ------- سلامتی سے ماخوذ ہے۔

ایمان کا کم سے کم حاصل یہ ہے کہ ایمان کی کیفیات کے مطابق زوال غم اور زوال خوف ہے۔ بہشت اور قیامت میں 'اطمینان قلب' درجہ انسان کی باطنی کیفیات پر ہے۔

ایمان کا یہ درجہ جو 'قلب سلیم' یا فطرت سلیم کا نتیجہ ہے انسان کی فطرت میں موجود ہے اور ہر انسانی بچہ فطرت اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی صلاحیت لاتا ہے مگر اس کا ماحول اور تربیت یا تعلیم (SCHOOLING) اس کو والدین اور ماحول کے انداز میں سوچنے والا عیسائی یہودی یا ہندو، بدھ بنا دیتی ہے۔ ایمان کا یہ درجہ گویا فطرت انسانی کا حصہ ہے اور حقیقی انسان کی فطرت کا جزو لاینفک ہے اس کے سامنے آنے کے لئے انسان کو تھوڑی سے محنت اور جدوجہد (والذین جاھدوا فینا ۔۔۔۔) کرنا پڑتی ہے اور غور و فکر کرنا پڑتا ہے اسی لئے ایمان کے اس حصے کو ایمان اکتسابی یا ایمان عقلی کا نام دیا گیا ہے اور جس انسان تک کسی نبی علیہ السلام کی ایمانی دعوت نہیں پہنچی جیسے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام چین جاپان اور امریکہ تک نہیں پہنچ سکا تو وہ تمام انسان جو اس دوران وفات پا گئے ان سے انہیں دو باتوں کا کم از کم لازماً سوال ہوگا۔

ایمان بالرسالت

انسان جب فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے ذریعے یہاں تک پہنچ جاتا ہے جس کی مثالیں عرب میں بھی تھیں اور آج کے ہر معاشرے (حتی کہ امریکی اور یورپی معاشرے) میں بھی موجود ہیں تو------- ایسے انسان کو اب تلاش ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کو کیسے راضی کرے۔ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے سونے، معاشرتی رسوم ورواج میں کیا طور طریقے اختیار کرے اور کیا انداز ترک کر دے؟ میرے اللہ کی کیا رہنمائی ہے؟ مجھے کون بتائے گا؟ اب اس کے سامنے کسی نبی یا رسول کی دعوت یا آسمانی ہدایت کا تذکرہ آتا ہے تو انسان اسے دل کی آواز سمجھ کر فوراً قبول کر لیتا ہے جیسے

قرآن مجید میں ساتواں پارہ اس واقعے کے تذکرہ سے شروع ہوجاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے تلاش حقیقت کے لئے طویل سفر کرکے مدینہ حاضری دی اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو

واذا سمعواماانزل الی الرسول تریٰ اعینهم تفیض من الدمع مماعرفوا من الحق یقولون ربنآ اٰمنا فاکتبنا مع الشٰهدین ومالنا لا نؤمن بالله وماجآء نا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصٰلحین (المائدہ 84-83)

ترجمہ: اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی۔ اور وہ (اللہ کی جناب) میں عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہمکو ماننے والوں میں لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں اور ا ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا

ایسے لوگ اس آیت کے مصداق والہانہ طور پر اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر موقع سے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیتے ہیں

ربنا انك من تدخل النار فقد اخزیته ط وما للظلمین من انصار o ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فآمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار (آل عمران : 192)

اے پروردگار جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا۔ اسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں اے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا یعنی اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔

اس اعتراف حقیقت اور اظہار حقیقت کا نام اسلام لانا اور مسلمان ہونا ہے اور اس اعتراف کے ساتھ ہی سارے سابقہ گناہ اور غلطیاں مٹادی جاتی ہیں ایمان کے اس حصہ کا نام ہے ایمان

بالرسالت اس میں فرشتوں کو ماننا کتابوں اور وحی کو ماننا اطاعت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ سب شامل ہیں۔

گناہوں کی معافی کی یہ کیفیت آج بھی ہر اس شخص کے لئے ہے جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی غلطیاں کر رہا ہے اور غلط ماحول میں ڈوبا ہوا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے ایسے شخص کے بھی سارے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ اسلام اور سچی توبہ سارے سابقہ گناہوں کو دھو دیتی ہے، فرمایا رسول ﷺ نے

'التائب من الذنب كمن لا ذنب له' (ابن ماجہ)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا انسان ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں

ایمان بالرسالت کا حاصل یہ ہے کہ انسان اب اللہ کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت شوق اور محبت کے جذبے کے ساتھ پوری زندگی میں کرے اور آپ ﷺ جیسا لائف سٹائل اختیار کرے۔

ایمان مجموعہ ہے ایمان باللہ، ایمان باالٰاخرۃ اور ایمان بالرسالت کا۔ ایمان باللہ اور ایمان باالٰاخرۃ تو قلب سلیم کا حاصل ہیں گویا انسان غور وفکر سے ایمان باللہ اور ایمان باالٰاخرۃ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اس لئے ان کو اکتسابی یا عقلی ایمان کہا جاتا ہے جبکہ ایمان بالرسالت ------- ایمان سمعی ہے کہ آپ تک دعوت دین پہنچے گی تو آپ مکلّف ہوں گے بات سنیں گے تو جواب دہی ہوگی

یہ اکتسابی ایمان اور سمعی ایمان جمع ہو کر ہی مکمل ایمان بنتے ہیں۔

اسی لئے ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ

ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا (رواہ مسلم عن عباس)

ترجمہ: ''ایمان کا مزہ اس نے چکھا، اور اس کی لذت اسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل راضی ہو گیا۔

سورۃ تغابن (64) میں اس دنیا کی پرسکون زندگی کی پانچ علامات اللہ تعالی نے تذکرہ

فرمایا ہے۔

(1)تسلیم ورضا:۔راضی برضائے رب یعنی اپنی سی اچھی کوشش اور محنت کے بعد جو حالات آجائیں ان کومن جانب اللہ سمجھ کر صبر وسکون سے وقت گذارنا۔(2)اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت؛(3)توکل:امکانی حدتک اسباب ظاہری کے فراہم کرنے کے باوجود نتیجہ کے ضمن میں اللہ تعالی کی ذات پر بھروسہ(4)دوستی اور دشمنی کے نئے پیمانے؛یعنی دوستوں اور رشتہ داروں اوراہل خانہ کے حقوق کا اس حدتک اہتمام کہ ان کی دنیا بنانے کے لئے اپنی آخرت کو داؤ پر نہ لگا دیا جائے۔(5)مال ودولت اور اولاد کو بالخصوص اور دنیا کی ہر نعمت کو بالعموم اللہ تعالی کی طرف سے ایک امانت(TRUST)یقین کرنا جس کا قیامت کے دن حساب دینا ہوگا۔اوران تمام چیزوں کو اللہ تعالی (اوراس کے رسول ﷺ) کی منشاء کے مطابق خرچ کرنا بالخصوص دین کی سربلندی کے لئے مال وجان لگا دینے کو ہی کامیابی سمجھنا۔ایسے ہی خوش نصیب انسان CREAM OF SOCIETY شمار ہوں گے اور حقیقی انسان کہلانے کے مستحق ہوں گے۔جو دنیا میں سکون اور اطمینان قلبی کے ساتھ رہیں گے اور آخرت میں دیدار الٰہی اور رضائے الٰہی کے مستحق ٹھہریں گے۔

تقرب بالفرائض۔۔۔تقرب بالنوافل

قرب الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔قرب نوافل۔قرب فرائض۔صاحب قرب نوافل اپنے ارادے سے نیک کام کرتا ہے صاحب قرب فرائض تحت امر الٰہی کام کرتا ہے۔صاحب قرب نوافل کے متعلق کہا جاتا ہے خدائے تعالیٰ اس کا ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہے یعنی بجائے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرنے کے تمام کام اللہ سے لیتا ہے۔اور صاحب قرب فرائض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کو کچھ کام کرنا ہوتا ہے تو اس سے لیتا ہے۔کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے تو اس کے واسطے سے دیتا ہے بظاہر ایسا ولی مجبور رہتا ہے اگر حقیقتاً اس مین سے ارادۂ الٰہی وقدرت خداوندی نمایاں رہتی ہے۔

صاحب قرب نوافل توجہ و ہمت کا زور خوب لگاتا ہے۔اس کا ''دل پور'' بڑا رہتا ہے۔
صاحب قرب فرائض اپنے عدم اصلی پر نظر کرتا ہے اور بے ہمت و بے ارادہ رہتا ہے۔ ایسے حضرات کے ہمت نہ کرنے کے کئی اسباب ہیں۔

(1) اپنے عدم اصلی کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا جو کمال معرفت ہے۔

(2) بے ارادہ ہمیشہ ذمہ داری سے آزاد سبکدوش رہتا ہے۔

(3) اس کی توجہ خدائے تعالیٰ پر رہتی ہے اور ہر شئے میں اس کا جلوہ پاتا ہے۔لہٰذا تصرف کو خلاف ادب سمجھتا ہے۔

یہ بات بھی خیال رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے ارادے سے تصرف کرنا۔اپنے ارادے سے تصرف نہ کرنا۔تصرف اور عدم تصرف کا اختیار دیا جائے۔تو عدم تصرف کو اختیار کرنا۔ جو مانع ذمہ داری ہے۔تصرف کے امر کے وقت امتثال امر کرنا۔اور پھر وہی بے اختیاری، عدم اعلیٰ، یہ کام نہایت مشکل اور عہد کامل کا ہے۔نہ بالا ارادہ تصرف نہ بالا ارادہ، عدم تصرف، بلکہ حکم تصرف کے وقت تصرف۔غرضیکہ ؎

ترک اداری اور ہے شئے
اور ہی ترک ارادت ہے (حسرت)

بالا ارادہ ترک کرنا، ترک ارادی ہے۔ترک ارادی، ترک ارادہ یا عدم ارادہ نہیں ہے۔

ماخوذ از فصوص الحکم للشیخ محمد بن علی الہاتمی (فص لوطیہ) ترجمہ: مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی

دوانسان

حکمت بالغہ کے اس شمارے میں اب تک جو گفتگو ہوئی ہے وہ اس انداز کی ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صرف مردوں کے بارے میں ہے اور نسل انسانی کا ایک حصہ جو 'عورت' ہے اس کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ یہ ایک ظاہری سا تاثر ہوسکتا ہے۔ حقیقتاً عورت ایک 'مکمل انسان' ہے اور عزت، شرف، وقار، جواب دہی اور آخرت میں بدلہ کے اعتبار سے مرد کے برابر ہے۔ صرف اس دنیا میں ہے کہ بعض پہلوؤں سے جو زیادہ تر انتظامی نوعیت کے ہیں عورت اور مرد کے فرائض اور حقوق کا اختلاف ہے۔

وہ سارے فرائض جو انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ پہلے درجے میں ان فرائض کا احساس اور پھر ان کی ادائیگی کے طریق کار کا شعور ہر انسان میں ہونا لازمی ہے۔ اپنے رب کی معرفت، اپنے مقام کا احساس، آخرت پر ایمان، ایمان بالرسالت یہ تمام باتیں مرد وعورت کے لئے مشترک ہیں۔ پھر فرائض کے شعور تک بھی ذمہ داریاں مشترک ہیں۔ اب ان فرائض کی ادائیگی کے لئے مرد کے حصے میں ایک کام ہے اور عورت کے ذمے معاشرے ہی میں رہتے ہوئے دوسرے محاذ کی ذمہ داریاں ہیں۔ جیسے ایک زندہ معاشرے اور زندہ قوم میں ہر فرد جاگ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک باشعور گھر میں مرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہئے اور عورت کو اپنی ذمہ داریوں کا۔ مثال کے طور پر معاشی تگ ودو اور کمانا مرد کے ذمے ہے۔ اگر کسی خاندان کا کمانے کی صلاحیت رکھنے والا فرد بے کار گھر میں پڑا رہے اور کاروبار پر نہ جائے تو یہ شعور فطرت نے دیا ہے کہ گھر والے اور بالخصوص خاتون خانہ (اس مرد کی ماں، بہن، بیوی، والدہ) اس کو سختی سے احساس دلائے کہ اگر تو کمائے گا نہیں تو ہم کھائیں گے کہاں سے؟ اور گھر کیسے چلے گا؟ اور

اکثر و بیشتر گھر والے ایسے فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح اگر کسی گھر میں کوئی مرد نماز نہیں پڑھتا، قرآن نہیں پڑھتا اور دینی فرائض ادا نہیں کرتا تو اس گھر کی خواتین کو یہ شعور ہونا چاہئے کہ حقیقی انسانی معاشرے میں عورت کی ذمہ داریوں کا دائرہ کیا ہے اور مرد کا دائرہ کار کیا ہے۔ جیسے معاشی بھاگ دوڑ میں دلچسپی نہ لینے پر مرد کو برا بھلا کہا جاتا ہے اسی طرح دینی ذمہ داریوں سے گریز اور کوتاہی اور دین سے بیزاری پر بھی 'عورت' کا مرد کو اسکی دینی ذمہ داریوں کا احساس دلانا فطری اور لازمی ہے اس لئے کہ معاشرے کی بہبود اور فلاح کے لئے معاشرے کا ہر فرد اہم ہوتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

لہٰذا یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ اس رسالے میں صرف مردوں کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں اور عورت کا تذکرہ نہیں ہے۔ حقیقتاً ایک انسان کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں اور عورت بھی انسان ہے اور مرد بھی انسان ہے یہاں دونوں اس کے مخاطب ہیں۔ اپنی عورت اور مرد دونوں بحیثیت انسان اپنے فرائض کی پہچان شعور اور ان کی ادائیگی کے یکساں ذمہ دار بھی ہیں اور آخرت میں یکساں جوابدہ بھی۔

تقرب الٰہی کیسے

فرض _____ عربی کا لفظ ہے اور کسی چیز کے لئے لازم ہونے یا ناگزیر ہونے کے لئے مستعمل ہے۔ دور نبوت اور دور خلافت راشدہ کے تقریباً ایک صدی بعد جب فقہی تصورات عام ہوئے اور دین کی اصطلاحات نے معین شکل اختیار کر لی اور اسلام کی شان وشوکت اور سلطنت کے پھیلاؤ کے نتیجے میں معین 'قانون اسلام' کی ضرورت داعی ہوئی تو علماء وفقہاء نے اس ضرورت کو پورا کر دیا فقہی اور قانونی اصطلاح میں یہی 'فرض' کا لفظ آیا ہے وضو کے فرائض، غسل کے فرائض، نماز کے فرائض وغیرہ لیکن یہ فرض فقہی اصطلاح کے طور پر ہے جبکہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے

طلب العلم فريضة على كل مسلمٍ ومسلمةٍ (ابن ماجہ عن انسؓ)

ترجمہ:

یہاں لفظ 'فرض' فقہی فرض نہیں ہے بلکہ فضائل کے باب کی شے سمجھ کر 'اہم' کے معنی کر دیئے ہیں۔ اسی طرح کے لفظ فرض کے تحت دین کی کچھ بنیادی باتیں تحریر کی جارہی ہیں جو ہر مسلمان پر لازم ہیں اور انہیں فرائض کے ضمن میں دیگر اصطلاحات کا تذکرہ بھی آ گیا ہے اور تمام دینی احکام کا ایک جامع نقشہ ہمارے سامنے آ گیا ہے جسے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ حقیقی انسان کی عملی زندگی کے کاموں میں یہی ترجیحات ہیں جن میں وہ اپنا مال وجان کھپائے گا اور اپنے اوقات صرف کرے گا۔ یہ فرائض دینی میں جو ہم سے ہر مسلمان پر درجہ بدرجہ اور حیثیت وصلاحیت کے مطابق لازم ہیں۔

یہی لفظ فرض ہے جو ایک حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ 'فرائض' کو پورا کرنے والا اپنے مالک حقیقی اللہ تعالی کا خاص قرب بہت تیزی کے ساتھ حاصل کرتا ہے اور اس کے قریب رہتا ہے اور اگر ان فرائض کی ادائیگی کے بعد بھی کسی کے پاس فرصت اور صلاحیت ہو تو وہ اپنے مال وجان کو نوافل میں لگا کر تقرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ گویا تقرب الٰہی کے دو ذریعے ہیں

i) تقرب بالفرائض

ii) تقرب بالنوافل

مذکورہ حدیث مبارکہ کا ترجمہ اور متن حسب ذیل ہے

قال رسول الله ﷺ ان الله تعالى قال من عادى لى وليا فقد اذنته بالحرب و ماتقرب الى عبدى بشيء احب مما افترضت عليه ولايزال عبدى يتقرب الى بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها ولئن سألنى لاعطينه ولئن استعاذنى لاعيذنه (بخاری عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ:

'تقرب بالفرائض' پر گفتگو کرتے ہوئے 'فرض' کو پہچاننا ضروری ہے فرض لغوی معنیٰ میں استعمال ہوگا۔ فقہی اصطلاح کے طور پر اس لفظ کا مفہوم اور مدعا قدرے مختلف ہے) قرآن مجید میں 'فرض' کا لفظ اوّلاً خود قرآن مجید کے بارے میں آیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے

ان الذى فرض عليك القرآن لرآدك الى معادٍ (القصص:84)

ترجمہ: ''بیشک وہ ہستی اللہ تعالی جس نے قرآن آپ کے ذمے لگایا ہے وہی آپ کو (کامیابی کے اچھے) وعدے کی جگہ پہنچائے گا۔''

دوسری جگہ 'فریضۃ' کا لفظ وراثت کے احکام کے بارے میں آیا ہے۔ جس سے قرآن مجید اور احکام وراثت کی اہمیت ظاہر و باہر ہے۔ آگے چل کر دیکھیں گے کہ قرآن مجید ہی ہدایت اور

ایمان کا منبع وسرچشمہ ہونے کے ناطے وہ زینہ ہے جس کے ذریعے دینی ذمہ داریوں سے درجہ بدرجہ عہدہ برآ ہوتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک پہنچا جاسکتا ہے

دینی فرائض کا خلاصہ سادہ الفاظ میں یہ ہے

(1) ہر انسان خود اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بنے۔

(2) یہی (اللہ کا بندہ بننے کی) تعلیم اور تبلیغ وہ دوسروں کو بھی کرے اور خود نمونہ بن کر زندگی گذار دے

(3) اللہ تعالیٰ کے احکام کی مکمل تنفیذ اور کامل نمونہ دکھانے کے لئے کسی خطہ زمین پر اس کا غلبہ اور اقامت کی جدوجہد کرے۔

ان تین فرائض دینی کی مختصراً وضاحت اس کے راستے کے مواقع اور ان سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ درج ذیل ہے

پہلا فرض حقیقی انسان اپنی ذات میں اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گذارنے کی از حد کوشش کرے۔ اس ضمن میں اس کو اسلام کے ارکان خمسہ میں سے باقی چار بھی، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ انسان صحیح طرز عمل کے لئے صحیح اور صحیح علم کا محتاج ہے چنانچہ گذشتہ باب جو محبت ہوتی ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ دو ٹانگوں پر انسان کی شکل کا ہر 'حیوان' انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ جب تک وہ عہد الست کو یاد کر کے اپنے رب نہ پہچانے اپنے اندر اخلاقی حس کو بیدار نہ کرے اور نیکی بدی کی پہچان کو زندہ رکھے پھر اپنے رب کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرے اس کے لئے وہ وحی آسمانی اور 'علوم انبیاء' کو پہچانے اور اس کی تصدیق کرے۔ یہ تصدیق زبانی بھی ہو (اقرار باللسان) اور قلبی بھی ہو (تصدیق بالقلب) اس سارے ذہنی سفر کا نام جس سے انسان کو کائنات کا صحیح علم اور اپنے مقام عبدیت کا اندازہ ہو گیا_____ ایمان ہے۔ ایمان تو دل میں چھپی ہوئی حقیقت ہے مگر اس کا زبان سے اظہار اور کلمہ شہادت کی

ادائیگی اس کا وہ پہلو ہے جو سب کے سامنے رہتا ہے اور از حد ضروری ہے اس سے صحیح فکر اور صحیح علم تک رسائی ہوگئی۔ اسی کی کوکھ سے عمل کا جذبہ اور صحیح طرز عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس پہلے فرض کی ادائیگی کے لئے عام طور پر قرآن مجید میں چار اصطلاحات مستعمل ہیں۔

اسلام (کسی حق کو تسلیم کر لینا) اطاعت (کہنا ماننا) عبادت (پوری زندگی میں اپنے رب کی بندگی کرنا) اور تقویٰ (اوپر تینوں اصطلاحات کے تقاضوں میں نافرمانی اور بدنیتی سے بچنا تا کہ آخرت میں اللہ کی پکڑ اور عذاب سے بچ سکے۔)

تین موانع (یعنی راستہ روکنے والے عوامل) سامنے آتے ہیں

1۔ انسان کے اپنے اندر 'نفس انسانی' یہ ایک قوت ہے جو ہر انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے جو اسے نیکی کے مقابلے میں مسلسل برائی پر اکساتی اور مشورہ دیتی ہے

2۔ شیطان ایک بڑا شیطان 'ابلیس' ہے جس نے ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرے سزا پائی اور قیامت کی زندگی مانگ کر اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا 'ٹھیکہ' اٹھالیا۔ پھر 'جنوں' اور انسانوں میں سے شیطان کے ایجنٹ ہی ہیں جو انسان کو دوست بن کر برائی کا راست دکھاتے ہیں حالانکہ وہ انسان کے دشمن ہیں۔

3۔ انسان کا ماحول گھر والے، قریبی عزیز برادری اور کنبہ قبیلہ (معاشرہ) بھی انسان کے گناہوں والی زندگی سے توبہ کرنے کی صورت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

حقیقی انسان وہ جوان موانعات پر صبر کرتا ہے اور 'اصبر علی ما اصابك' کی تصویر بن جاتا ہے اور اپنی ذات اور نظریات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس جدوجہد کا نام ہی 'جہاد' ہے۔

چنانچہ اس مرحلے کا جہاد ہے

(i) نفس کے خلاف جہاد جہاد کا یہ مرحلہ انسان کے باطن میں ہے۔ جہاد مع النفس، مجاہدات نفس، نفس کے مشوروں کی خلاف ورزی

(ii) شیطان کے خلاف جہاد جہاد کا یہ مرحلہ بھی زیادہ تر انسان کے باطن ہی میں ہے۔شیطانی مشوروں (چاہے کچھ انسان ہی دوست بن کر ایسے مشورے دے رہے ہوں) پر کان دھرنا اور شیطان کو دشمن سمجھنا اور ثابت قدم رہنا۔

(iii) ماحول اور معاشرے سے جہاد یہ مرحلہ گھر کے اندر اور قریبی ماحول میں ہے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے ڈٹے رہنا۔

دوسرا فرض حقیقی انسان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اور ہر بیان کردہ صحیح فکر علم اور ذاتی سطح پر اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دوسروں کو بھی دے یہ دعوت قریب کے جاننے والوں کو پہلے اور دور دراز کے ناواقف لوگوں کو بعد میں ہوگی۔

اس مرحلے کے لئے ہمارے دین میں کئی اصطلاحات ہیں جو درج ذیل ہیں

(1) تعلیم: دینی باتوں کی تعلیم۔قرآن کی تعلیم۔مسائل کی تعلیم وغیرہ۔

(2) دعوت:۔دین کی باتوں کی راہ چلتے چلتے سفر کرتے دعوت دینا اور دین کا پیغام عام کرتے رہنا۔

(3) تبلیغ:۔دین کی باتوں کا کسی تک پہنچانا۔اس کے لئے سفر کرنے جانا یا اس کو بات پہنچانے کا حق ادا کر دینا جیسے بھی ممکن ہو۔

(4) تدریس:۔مدارس میں دینی تعلیم وغیرہ کے ذریعے دین پہنچانا۔

(5) تقریر:۔دینی باتیں اپنی تقریروں، وعظ کی محافل اور خطابات میں دوسروں تک پہنچانا۔

(6) تحریر:۔دینی باتیں اپنی تحریر، مضامین، کتابوں، رسالوں، ہینڈ بلوں کی شکل میں دوسروں تک پہنچانا۔

(7) امر بالمعروف:۔نیکی کی باتوں کو پھیلانا اور موقع ومحل کے مطابق صحیح مشورہ دے دینا۔

(8) نہی عن المنکر:۔کس جگہ برائی کا ارتکاب ہوتا دیکھ کر ہو تھ سے یا زبان سے اس برائی سے روکنا کم از کم دل میں بے بسی پر ندامت کا احساس اور خود برائی سے اجتناب۔

(9) شہادت علی الناس شہید یا شہادت علی الناس:۔دوسروں کو دعوت دینے کے مرحلے کے ساتھ

ساتھ خودعزیمت کے ساتھ دین پر عملی نمونہ بن کر زندگی گزارنے کا عزم اور ہر نقصان برداشت کر کے حتی کہ جان چلی جائے مگر دین نہ چھوڑنا ایسا آدمی بھی ادنیٰ درجے میں شہید اور دین کا گواہ ہے۔

اس دوسرے مرحلے سے گذرتے ہوئے بھی تین طرح کی رکاوٹیں اور موانع درپیش ہوتے ہیں۔

(1) گمراہ اور باطل فرقے:۔ دین اسلام سے دور طبقات اکثر مسلمان کو گمراہ کرنے کے لئے دین ہی کا لبادہ پہن کر گمراہ کرتے ہیں دعوت کے میدان میں آ کر ان لازماً واسطہ پڑتا ہے اور یہ کسی صورت ماننے والے نہیں ہوتے ان کے مبلغین اکثر و بیشتر تنخواہ یافتہ ہوتے ہیں شاذ ہی کوئی آدمی ان میں حق قبول کرتا ہے۔

(2) فلسفہ جدید کے حامل لوگ:۔ مغرب زدہ یا بے دین جدید تعلیمیافتہ حضرات اس ضمن میں آتے ہیں ان کے ذہن میں مغربی فلسفے (از قدم ڈارون، فرائڈ، مارکس، وغیرہ) پیوست ہو چکے ہوتے ہیں ان سے انہیں کی زبان بات کرنا ہوتی ہے۔

(3) بے عمل مسلمان:۔ مسلمانوں میں بے عملی عام ہے اور آہستہ آہستہ یہ ایک فلسفہ بن جاتا ہے کہ فلاں ہی گناہ بخشوالے گا اور فلا بخشوالے گا۔ ان کے بخشے جنانے کا معاملہ تو قیامت کے دن ہوگا دنیا میں بہر حال ایسے لوگوں کی موجودگی نے چوری، ثبوت، ملاوٹ، دھوکہ، بد یانتی، جوا، شراب، بدکاری، وغیرہ وغیرہ جیسے جرائم ترقی کرتے رہتے ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کو 'عمل' کی دعوت دینا بھی دعوت کے ضمن میں آتا ہے۔

اس دوسرے فرض کی ادائیگی کے لئے بھی صحیح راستہ سمجھنے اور اس پر ہی چلنے کی ضرورت ہے اور اس مرحلے پر یہ جہاد قرآن مجید کے مطابق طرز عمل (سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم اسلئے یہ ہستیاں ہی قرآن مجید پر عمل کرنے میں 'سابقون' کے مقام پر ہیں) اختیار کرنا ہوگا اس جہاد کو جہاد بالقلم اور جہاد بالسیف کی طرح 'جہاد بالقرآن' کہا گیا ہے۔ چنانچہ

☆ باطل فرقوں کے خلاف جہاد میں بھی قرآن مجید کے ذریعے گفتگو اور دلائل اور اس کے آداب وضوابط کا لحاظ رکھنا ہوگا

☆ فلسفہ جدید کے حامل لوگوں سے گفتگو (یا تحریری جواب) میں قرآن مجید کی گہری تعلیم کو بنیاد بنا کر اور جدید علوم کے صغریٰ کبریٰ کو سمجھ کر گمراہی کو صحیح صحیح ناپ تول کر نشاندہی کر کے استدلال کرنا ہی اسلام کی دعوت وتبلیغ ہوگی اور اس کا نام جہاد ہی ہے۔

☆ بے عمل مسلمانوں کو عمل پر آمادہ کرنا سب سے مشکل کام ہے اور اس کے لئے قرآن مجید میں اہل کتاب کی مثالیں موجود ہیں یا مکے والوں کے دین ابراہیمی کے دعووں کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے مشابہت ہے۔ یہ مثالیں اور اسوۂ رسول ﷺ اس جہاد میں کام آسکتا ہے۔

تیسرا فرض حقیقی انسان یا اچھے مسلمان یا مرد مؤمن کے لئے تیسرا فرض شہادت علی الناس یا شہادت کے فرض کی اعلیٰ درجے میں ادائیگی ہے جس کے لئے صرف وعظ ونصیحت اور تبلیغ نہیں بلکہ عملاً ایک خطہ زمین پر اس مکمل دین کے تمام ضابطوں کو بالفعل نافذ کرنا ہے جس کے لئے کسی علاقہ کو فتح کر کے یا وہاں موجود حکومت پر دباؤ ڈال کر حکومت کے ذریعے اسلام کے اجتماعی احکام کی مکمل تنفیذ ہے۔

اس تیسرے فرض کے لئے ہمارے دین میں کئی اصطلاحات ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اور کتب احادیث میں یہ اصطلاحات وارد ہوئی ہیں۔

(1) تکبیر رب:۔ اللہ کی زبانی بڑائی کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اللہ کو کردینا یعنی اللہ کا کہنا ماننا بڑا کردینا۔ (2) اقامت دین:۔ دین کو قائم کرنا اس کی پوری تفاصیل کے ساتھ جیسے قائم ہوا تھا دور خلافت راشدہ میں۔ (3) اظہار دین حق:۔ قرآن مجید اور دین حق کا مکمل غلبہ اور باقی سارے دینوں پر حاوی کردینا دوسرے دین کی عملداری اجتماعی سطح پر ختم ہوجائے۔ (5) لیکون الدین کلمۃ اللہ:۔ جہاد جاری رہے گا تاکہ دین (اجتماعی نظام) اللہ کے لئے بن جائے۔ (6) اعلائے کلمۃ

اللہ:۔جدوجہد جاری رکھ اللہ کی بات کو باقی (سب انسانی بنائی ہوئی) باتوں پر فوقیت دلا دینا۔

مزید برآں انجیل کے مطابق آسمانی بادشت یا ہمارے ہاں مروج اصطلاحات میں حکومت الٰہیہ، اسلامی انقلاب یا نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ سب ایک ہی حقیقت کے اظہار کے لئے مختلف الفاظ ہیں۔انگریزی میں الفاظ ہیں۔

CALL THE ROSE BY ANY NAME, IT WILL SMELL. اس مرحلے پر بھی تین طرح سے مزاحمت بلکہ شدید اور منظّم مزاحمت سے سابقہ ہوگا۔

(1) دین سے دور برائیوں میں ڈوبے ہوئے باحیثیت و بااختیار لوگ:۔ایسے لوگوں سے بھی چاہے وہ مسلمان کیوں نہ ہوں عملاً کسی خیر کی توقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسلام کے نفاذ (شراب کی بندش، بدکاری کی سزا وغیرہ کو) اپنے لئے موت سمجھتے ہیں۔

(2) معاشرے میں جاری باطل نظام (غیر اسلامی) سے مفادات حاصل کرنے والے مختلف طبقات (جاگیردار، تاجر، اعلی سرکاری عہدیدار وغیرہ) اس طبقہ کی بھی ساری دولت کا انحصار اسلامی احکام کی خلاف ورزی پر ہی قائم ہوتا ہے لہٰذا عموماً ان لوگوں کی بھی عظیم اکثریت حق کا راستہ روکنے کی کوشش کرتی ہے۔

(3) حکمران طبقہ: کسی جگہ پر موجود حکمران طبقہ بھی (آج کے جمہوری دور میں تو لازماً) معاشرے کی عمومی بدعملی کا مظہر ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی حکومت کو بچانے کے لئے STATUS QUOU کے لئے اقدام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اس مرحلے پر بھی مخالف قوتوں سے مزاحمت قرآن مجید اور سیرت النبی ﷺ و سیرت الصحابہ (رضی اللہ عنہم) ہی کی رہنمائی میں ہی ہوئی مزاحمت کی ضرورت ہے اس ضمن میں جدوجہد کو جہاد ہی کہا جاتا ہے تاہم ابتدائی مراحل میں صبر بلکہ صبر محض کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔ پر امن مظاہرہ جس میں کسی پبلک پراپرٹی یا دوسرے انسان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ نہی المنکر باللسان کی انتہا کہلائے گی۔

آخری مرحلہ ____ بالفعل قتال یہ مرحلہ چونکہ فیصلہ کن ہے اس لئے ممکنہ طور پر

مکمل تیاری کے بغیر اس مرحلے سے حتی المقدور گریز ہی اقرب الی السنۃ ہے

اس موقع پر فیصلہ اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے انسان یہی کچھ کرسکتا ہے اور یہیں تک جواب دہ ہے اسلام کے غلبے کی کوشش کرنا ہی 'فرض' ہے نتیجہ اللہ تعالی کی ذات کے سپرد ہے عین ممکن ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی جنگ ہو جائے اور شہادتوں سے میدان کارزار 'لالہ زار' بن جائے یا ابابیلوں سے مدد کر کے کمزور اہل حق کو اللہ تعالی کامیاب کر دے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ ان

فرائض دینی

کی ادائیگی سے ہی

ہمیں حقیقی انسان

کی خلعت نصیب ہوسکتی ہے

اور اسی طرح

تقرب بالفرائض

کا اعلی درجہ بھی حاصل ہوسکتا ہے

جو تقرب الٰہی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے

حقیقی انسان اور اجتماعیت

انسان کا اپنے رب کو پہچان کر اپنی حقیقت کو سمجھ لینا اور دینی فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ ہوجانا ہی عین انسان ہونا ہے البتہ ـــــ زندگی گزارنے میں کامیاب ہونے کے لئے ایک مرحلہ ابھی باقی ہے اور وہ انسان کا کسی اجتماعیت میں شریک ہونا۔ کچھ ذاتی اور انفرادی قسم کے کام تو انفرادی سطح پر ہوسکتے ہیں مگر انسان صرف انفرادی ہی نہیں اجتماعی ذمہ داریوں کا بھی مکلّف ہے جو صرف اجتماعی سطح پر ہی ادا ہوسکتی ہیں۔ فلہٰذا۔

پہلے فرض کی ادائیگی میں بھی نماز باجماعت نکاح اور کنبہ قبیلہ ہی بنیادی انسانی ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی کے ضمن میں رسمی اجتماعیت ناگزیر ہے تاہم مجاہدات نفس یا شیطان کے خلاف جہاد میں انسان چاہے تو کسی ''مرشد'' اور 'مربی' کے ساتھ 'بیعت ارشاد' کے واسطے سے منسلک ہوسکتا ہے اور اگر انسان چاہے تو خود ہی توبہ کر کے گناہ ترک کرسکتا ہے تاہم بیعت ارشاد کے سلسلے ہمارے ہاں قائم ہیں اور وہ پہلے فرض کی ادائیگی میں انسان کے لئے مدومعاون ہیں یہ بیعت 'مستحب' کے درجے میں ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ

دوسرے فرض کی ادائیگی میں بھی ذرا مضبوط اور نظم وضبط کے ساتھ اجتماعیت کی ضرورت ہے چنانچہ یہاں انجمنیں ادارے، مدارس، رائٹرز گلڈ، ندوۃ المصنفین، ادارہ ثقافت اسلامیہ جیسے ادارے بھی اسلام کی تبلیغ میں حصہ ڈالنا چاہیں تو فرض کی ادائیگی ممکن ہے۔

تیسرے فرض کی ادائیگی کے لئے بیعت ارشاد وتبلیغ کے نوعیت کے کام مدومعاون ہوسکتے ہیں مگر ـــــ اس کا بدل نہیں بن سکتے۔ ہر انسان کو یہ فرض بھی ادا کرنا ہے اور اس میں اپنی

حیثیت کے مطابق حصہ ڈالنا ہے۔جسم وجان کے لحاظ سے بھی اور مال کے ساتھ بھی۔

اس سطح پر منظّم اور ایک دوسری قسم کی بیعت کی ضرورت ہے جو بیعت جہاد کہلاتی ہے۔ اور پہلے فرائض کی ادائیگی میں جہا کا لفظ اپنے معنوی معنوں یا وسعت مفہوم کے لئے آ گیا ہے حقیقتاً بھاری جدوجہد تو اسی تیسرے مرحلے میں ہی ہے۔جس کی سختیوں کے پیش نظر جہاد ــــــ قتال (جنگ) کے ہم معنیٰ قرار پایا ہے۔

یہ بیعت مسنون وماثور بھی ہے اور تاریخ اسلام کے اعتبار سے اجتماعیت کی واحد اساس بھی یہ بیعت 'سمع وطاعت فی المعروف' کے ساتھ مشروط ہے اور حضرت عبادہ بن ثابت کی روایت کے مطابق جو الفاظ منقول ہیں انسان کو پوری طرح کس کر نظم وضبط میں باندھ کر رکھ دیتے ہیں اور انسان ہی مقصد اور نصب العین کی یک رنگی کے فروغ کا سبب بنتی ہے۔

حقیقی انسان کی زندگی میں یہ مرحلہ بھی جلد ہی آنا ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے تائب ہوکر اپنے فرائض میں لگ جائے اور اسلام کے غلبے کے ضمن میں کسی اجتماعیت سے منسلک ہوجائے یہ خوش قسمتی ہوگی کوئی سلسہ ارشاد کے بزرگ ہی دعوت وتبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کی 'ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ضمن میں بھی کوشاں ہیں اور اسلام کے واقعی غلبے کے لئے اجتماعی طور پر قرآن وسنت کی بالادستی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔تاکہ انسان ایک ہی 'گھاٹ' پر ڈیرہ لگا کر وہیں سے سیراب ہوتا ہے اور سارے فرائض ادا ہوں۔

اور ــــــ یہ خوش قسمتی آپ کا ساتھ نہ دے اور ایسا کوئی سلسلہ میسر نہ آ سکے جیسا کہ پاکستان میں ناپید ہے (چیچنیا میں حکومت سے برسرپیکار لوگ مجددی سلسلہ سے وابستہ ہیں افغانستان میں بھی ایک طبقہ مجددی سلسلہ کی شاخ تھی) تو انسان کو کہیں بیعت کرنا ہوگی کہیں اپنے تبلیغی فرائض ادا کرنا ہوں گے اور پھر کہیں اور جا کر اسلام کے غلبے کی کوشش کرنا ہوگی (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح)

اگر ہمارے ہاں وسعت قلبی ہو اور مختلف ادارے انجمنیں جماعتیں اپنا اپنا فرض اپنے دائرے میں رہ کر سرانجام دیں (جیسے پرائمری سکول والے تعلیم کی تکمیل پر بچہ دوسرے سکون کے حوالے کر دیتے ہیں ہائی سکول والے تعلیم کے آخری درجے پر بچہ کالج کے حوالے کر دیتے ہیں) تو

بھی امت مسلمہ کے غلبے کے امکانات روشن ہوں گے اور امت مسلمہ کا ایک طبقہ ان مراحل سے گذر کر اپنے مقصد حیات کی آخری سیڑھی تک تگ ودو کرتا رہے گا۔ مگر عملاً ایسا ہے نہیں اس وسعت قلبی کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے۔

عن الحارث رضی اللہ عنہ انی آمرکم(اللہ امرنی نھن) بالجماعة والسمع والطاعة والھجرة والجھادة فی سبیل اللہ (رواہ احمد وترمذی)

''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے یعنی جماعت سننا اطاعت کرنا ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''

انسان کے روحانی ترفع اور قرب خداوندی کا آخری درجہ

رضائے الٰہی اور دیدار الٰہی

ایک انسان کا اپنے آپ کو پہچان کر معرفت خداوندی حاصل کر لینا کامیاب زندگی کا پہلا مرحلہ ہے آخرت کا یقین دوسرا مرحلہ اور اللہ کے فرستادہ پیغمبروں کو تسلیم کر کے عصر حاضر میں ــــــ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی دل و جان سے کامل اطاعت کرنا تیسرا مرحلہ ہے۔ اطاعت رسول ﷺ اور محبت رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ ان کے نقش قدم پر زندگی گزاری جائے اور ان ہی کا سا LIFESTYLE اختیار کیا جائے۔

اس LIFESTYLE یعنی اتباع سنت کا حاصل دنیا میں بھی ایک پرسکون زندگی ہے اور مرنے کے بعد ایک خیالی جنت نہیں، واقعی اور حقیقی محسوس جنت میں داخل ہونا ہے جہاں زندگی اور اس کی رنگا رنگ رونقیں اور بوقلمونیاں نہ کبھی اکتاہٹ کا سبب بنیں گی اور نہ کبھی ختم ہوں گی۔

اس جنت میں بھی انسان اپنی افتاد طبع اور ذہنی سطح کے مطابق معرفت خداوندی کے حصول کے سفر میں آگے بڑھتا رہے گا اس طویل سفر زندگی کا حاصل اور نقطہ عروج وہ 'بات' ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات اپنے بندے (حقیقی انسان) سے فرمائے گا کہ ''میں اب تم سے راضی ہوں''، یعنی رضائے الٰہی حاصل ہو جائے گی۔ اور اس جنت میں ہی کسی مرحلہ پر ہر انسان اپنی اپنی حیثیت اور درجے کے مطابق دیدار الٰہی سے بہرہ ور ہوگا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے اور

ع اک بندہ عاصی کی اور اتنی مدارا یتیں

کہاں ایک انسان _____ اور کہاں رب السمٰوٰتِ الارض _____ کہ اعلان فرمادیں کہ میں اپنے بندہ سے راضی ہوں اس سے بڑا اعزاز کسی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے _____ مزید برآں انسان اپنے خالق و مالک کے دیدار سے بہرہ ور ہوجائے۔

عن جریر بن عبدالله قال کناجلو سا عند رسول اللهﷺ فنظر الی القمر لیلة البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھٰذا القمر لاتضامون فی رویته فان استطعتم ان لا تغلبوا علیٰ صلوٰة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا،ثم قرا" وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها " (متفق علیہ)

ترجمہ: جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چاند کی طرف دیکھا اور یہ چودھویں کی رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھتے ہو تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی اور کوئی زحمت نہ ہوگی پس اگر تم یہ کرسکو کہ طلوع آفتاب سے پہلی نماز اور غروب آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ کرسکے تو'' لازماً ایسا کرو (پھر ان شاءاللہ دیدار حق اور نظارۂ جمال الٰہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہو گی) اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: ''وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها '' (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔)

O. GOD.

..... GIVE US THE SERENITY TO ACCEPT,

THE THINGS WE CANNOT CHANGE,

AND THE COURAGE TO CHANGE THE THINGS WE CAN,

AND THE WISDOM TO KNOW THE DIFFERENCE

یاالٰہی

ہمیں سمجھ بصیرت دے کہ ہم وہ باتیں حرز جان بنالیں جو ہم تبدیل نہیں
کر سکتے اور حوصلہ دے کہ وہ باتیں جو تبدیل کرنا ہمارے ذمہ ہے تبدیل
کر دیں اور حکمت عطاء فرما کہ دونوں میں تمیز کر سکیں۔

A

MAN

IN HIS IGNORANCE, IDENTIFIES

HIMSELF AS THE MATERIAL

SHEATHS, WHICH ENCOMPASS

HIS REAL SELF.

UPERNISHADES.

ہر انسان ناواقفیت میں، اپنے بھاری بھرکم مادی وجود کو ہی اصل سمجھ
بیٹھتا ہے حالانکہ یہ تو اس کی اصل حقیقت ''روح'' کے گرد غلافوں کی
مانند ہے۔!